قد افلح من تزکیٰ وذکر اسم ربہ فصلیٰ

القرآن الکریم

ترجمہ

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

نومبر
2009ء

اللہ
رسول
محمد

المُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ نَفْسَہٗ' مُجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے (الحدیث)

ماہنامہ

المرشد

قرآن حکیم کا اعجاز یہ ہے کہ قیامت تک آنے والی نسل انسانی کی رہنمائی کے لیے ان تیس پاروں میں ہر زمانے اور ہر عہد کے ہر قوم و ملک کے لوگوں کیلئے رہنمائی ہے۔

امیر محمد اکرم اعوان

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرز تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

جو کوئی اپنی محنت کا پھل آخرت میں چاہتا ہے تو اس کے انعامات اور اجر اور زیادہ بڑھا دیئے جاتے ہیں اور وہ اپنی طلب سے بھی زیادہ پاتا ہے اور جو شخص صرف حصولِ دنیا کے لئے کوشش کرتا ہے اسے دنیا میں سے کچھ نہ کچھ عطا کر دیا جاتا ہے، یعنی ضروری نہیں کہ جس انداز یا جتنی مقدار میں اس کی خواہش ہے اسے مل جائے بلکہ یہ اللہ کی مرضی کہ اس کا نصیبہ کیا مقرر کیا ہے وہی ملتا ہے جبکہ یہ سب آخرت کے طلبگار کو بھی ملتا ہے مگر آخرت چھوڑ کر صرف دنیا سے طالب کی خواہش دنیا میں پوری نہیں ہوتی، اور آخرت سے محروم رہ جاتا ہے کہ آخرت پر ایمان ہی نہ تھا لہٰذا آخرت میں کچھ نہیں پاتا گویا مومن دنیا کا کام بھی طلبِ آخرت میں کرتا ہے۔ لہٰذا اطاعت کی حدود میں رہتا ہے۔ جبکہ کافر سب کچھ جھپٹ لینا چاہتا ہے جبکہ نہ دنیا میں سب کچھ پا سکتا ہے اور نہ ہی آخرت میں اسے کچھ بھی ملے گا۔

اداریہ

حکمران قوم کو گداگر نہ بنائیں

پاکستان دنیا کا وہ خوش قسمت ملک ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بھرپور قدرتی وسائل، معدنیات، چاروں موسموں انتہائی اہم محل وقوع اور محنتی افرادی قوت سے نوازا ہے۔ ہمارے وطن میں دریا، پہاڑ اور میدانی علاقہ سبھی کچھ موجود ہے۔ دنیا کی تیرہ بلند ترین پہاڑی چوٹیوں میں سات پہاڑی چوٹیاں پاکستان میں واقع ہیں۔ ہمارے شمالی علاقہ جات حسن و دلکشی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ حکومتی ادارے دنیا کو اس علاقے سے متعارف کروانے پر توجہ دیں تو یہ ہری بھری وادیاں دنیا بھر کے سیاحوں کی اولین ترجیح بن سکتی ہیں۔ اسی طرح ہمارے میدانی علاقے کی زرخیزی قدرت کا عطیہ ہے۔ ملک میں دریا ہیں اور زمینوں کو سیراب کرنے کے لئے بہترین نہری نظام بھی موجود ہے۔ ہم اپنی زمینوں سے ایک برس میں تین فصلیں حاصل کر سکتے ہیں۔ پاکستان میں انواع واقسام کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ دنیا کا بہترین آم، مالٹا اور سنگترہ ہمارے باغات میں پیدا ہوتا ہے۔ ہمارا باسمتی چاول اپنی خوشبو اور لذت کے اعتبار سے دنیا میں سب سے بہتر ہے۔ اور یورپی ممالک سمیت دنیا بھر میں اس کی بہت مانگ ہے۔ قدرت کی کس کس مہربانی کا ذکر کیا جائے۔ بلوچستان میں سوئی کے مقام سے گیس کے وسیع ذخائر دریافت ہوئے ایک عرصہ گزر چکا ہے اسی صوبے کی زمین میں سونے اور تانبے کے ذخائر بھی موجود ہیں۔ صوبہ سندھ میں تھر پارکر کے مقام پر موجود کوئلے کے ذخائر دنیا بھر میں دریافت ہونے والے دوسرے بڑے ذخائر ہیں۔ بدین سے بھی قدرتی گیس دریافت ہو چکی ہے۔ پنجاب میں نمک کے بڑے ذخائر ہیں۔ قدرت ہم پر اپنی نعمتیں لٹا رہی ہے لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا ہمارے حکمران ان نعمتوں کو درست طریقے سے استعمال کر کے قوم کو فائدہ پہنچانے کے لئے بھی کوئی منصوبہ بندی کر رہے ہیں یا نہیں۔ اس سوال کا جواب نفی میں ہے۔ تھر پارکر میں موجود کوئلے سے گیس اور پھر گیس سے بجلی بنائی جاسکتی ہے اور اس طرح تیل کی امپورٹ پر خرچ ہونے والے اربوں ڈالر بچ سکتے ہیں لیکن ہمارے حکمرانوں کی نظر میں ایسے کاموں کی شاید کوئی اہمیت نہیں اسی لئے تو انہوں نے پاکستان میں زمین کے اندر اور سمندر میں موجود تیل تلاش کرنے کی بہت کم کوششیں کی ہیں جس کے نتیجے میں ہم روزانہ صرف ساٹھ سے ستر ہزار بیرل تیل حاصل کر رہے ہیں جبکہ ہماری ضرورت تین لاکھ بیرل تیل روزانہ ہے ہمارے پاس وسائل کی کمی نہیں لیکن ہمارے حکمران ان وسائل کو استعمال کرنے کی درست منصوبہ بندی نہیں کر پاتے جس کے نتیجے میں پاکستان باسٹھ برس بعد بھی ایک غریب اور ترقی پذیر ملک ہے۔ اللہ کی نعمتوں کے درست استعمال سے اپنے ملک کی تقدیر بدلنے کی بجائے حکمران کشکول اٹھا کر دنیا بھر کے دورے کرتے پھرتے ہیں اور امیر ممالک اور عالمی مالیاتی اداروں سے زیادہ سے زیادہ امداد حاصل کرنے کی کوششوں میں اس جاں فشانی سے مصروف ہیں جیسے ملک وقوم کے ہر مسئلے کا واحد حل غیر ملکی امداد اور قرضہ ہی ہے ہمارے عوام کو ذہنی طور پر گداگر بنا دیا گیا ہے۔ عوام کے اندر خودی کا جذبہ ختم ہوتا جا رہا ہے عوام یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ہم اپنا بوجھ خود نہیں اٹھا سکتے بلکہ امداد کے بغیر ہم چل نہیں سکتے۔ حکمرانوں کے اس غلط رویے کی وجہ سے ملک ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ گیا۔ ہمارے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد اور ہنر مندوں نے جب محسوس کیا کہ پاکستان میں ترقی کے مواقع بہت محدود ہیں تو انہوں نے بیرون ملک کا رخ کیا اور آج ہمارے چالیس لاکھ پاکستانی دنیا کے مختلف ممالک میں موجود ہیں۔ ان میں سے بیس لاکھ پاکستانی امریکہ اور یورپ میں ہیں جبکہ بیس لاکھ عرب ممالک اور دنیا کے دیگر خطوں میں کام کر رہے ہیں ان چالیس لاکھ افراد میں ڈاکٹرز، انجینئرز اور سائنس دان بھی شامل ہیں اور ہنر مند اور محنت کش افراد بھی۔ ان میں تعلیم یافتہ بھی ہیں اور ان پڑھ بھی۔ یہ لوگ اپنا گھر بار اور خاندان چھوڑ کر پردیس میں زندگی گزار رہے ہیں۔ انہیں طرح طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ سیکنڈ کلاس شہری بن کر رہتے ہیں۔ نسلی امتیاز کا سامنا کرتے ہیں خصوصاً امریکہ اور یورپی ممالک میں مقامی آباد کے طنزیہ فقروں اور طعنوں کو برداشت کرتے ہیں لیکن پھر بھی بیرون ملک رہنے کو ترجیح دے رہے ہیں کیونکہ ہمارے لیڈروں نے اپنے کردار سے بتا دیا ہے کہ اس ملک (پاکستان) میں ان کیلئے کچھ نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تم لوگ بیرون ملک ہی رہو۔ پاکستان میں حکومتوں کی غلط کاریوں کے باعث عام آدمی کے لئے آگے بڑھنے کے راستے بند ہو چکے ہیں۔ یہ صورت حال ساری قوم کیلئے پریشان کن ہے ہمیں اپنے حکمرانوں اور لیڈروں کو یہ باور کرانا ہوگا کہ کشکول اٹھا کر دنیا سے مانگتے پھرنے کی بجائے اپنے ملک میں موجود قدرتی وسائل کو دریافت کرنے کی سنجیدہ کوشش کریں۔ نیز ملک کے وسائل کو بہترین طریقے میں بروئے کار لایا جائے حکمران بادشاہوں جیسا لائف سٹائل چھوڑ کر سادگی کو اپنائیں۔ بچت اور کفایت شعاری کو قومی ترجیح بنایا جائے۔ تو پاکستان کے حالات بدل سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو بہت نوازا ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ مقتدر طبقہ اپنی نیت درست کر کے اللہ کی ان نعمتوں کو قوم کی خدمت کے لئے استعمال میں لانے کا پختہ ارادہ کرلے۔

محمد اسلم

کلامِ شیخ

سیماب

امیر محمد اکرم اعوان' سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر — نشانِ منزل

کونسی ایسی بات ہوئی ہے — سوچ سمندر

متاعِ فقیر — آس جزیرہ — دیدۂ تر

آپ کی شاعری کیا ہے؟

فرماتے ہیں۔

"میری شاعری میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں؟ ان کا معیار کیا ہے بلکہ یوں کہئے کہ یہ اشعار ہیں یا نہیں' اس کی مجھے خبر نہیں' اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے اور نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے بہت سیکھا یا کم' سب کچھ محض اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔

اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرم کا فیضِ نظر ہے اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔

اللہ کرے میں جو چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ میں آسکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا کہ بندہ صرف بات پہنچا سکتا ہے باقی سب توفیقیں اللہ کو ہیں۔"

نعت

جینا خیالِ یار میں مرنا خیالِ یار میں
گزریں گے زندگی کے دن اپنے اسی بہار میں

آتے وہ خواب میں ضرور سوتے تو ہم سہی کبھی
ہوتی نہیں ہے آنکھ بند کھولی ہے جب سے پیار میں

کیف ہے یا سرور ہے سب کچھ انہیں کے نام سے
اس کی مہک نہ ہو اگر، رکھا ہے کیا بہار میں

کر و بات حسن و جمال کی چھڑے قصہ باغِ بہشت کا
رخِ مصطفےٰ کا جمال ہے کہ ہو پھول جیسے بہار میں

اسی اِک نظر کا سوال ہے کہ کھڑے ہیں در پہ فقیر سب
ملے ان کو در پاک پہ فقط ایک شب ہی گزارنے

اقوالِ شیخ

☆ اسلام میں کوئی ہیر پھیر نہیں ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ، غریب سے غریب، کمزور سے کمزور مسلمان جب مسجد میں آتا ہے تو اُسے کسی کی احتیاج نہیں ہوتی۔ بندہ سیدھا رب العلمین سے گفتگو کرتا ہے۔

☆ اسلام آپ کے دل کی وہ حالت ہے جو آپ کو اللہ کی بارگاہ میں جھکا دے۔ انابت کیا ہوتی؟ دل کے سب سے گہرے اور سب سے اندر کے خانے کی خواہش اور طلب۔ جب وہ اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے تو فرمایا رب کریم کی طرف جھک جاؤ۔ اللہ کریم کو اپنا مقصد اور اس کی رضا کو اپنی منزل بنالو۔

☆ سب سے بڑا شرک یہ ہے کہ آپ دنیا کی لذتیں حاصل کرنے کیلئے مذہب کو انکا ذریعہ بنالیں۔

☆ ذکر اور معرفت لازم وملزوم ہیں۔ حصول معرفت کا ذریعہ اگر ذکر ہے تو معرفت کا ماحصل بھی ذکر ہے۔ جب معرفت باری کا کوئی کرشمہ بھی نصیب ہو جائے تو عظمت باری مستحضر ہوتی ہے اور آدمی اپنی بے بسی اور محتاجی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور پھر اپنے وجود اپنے کمالات، اپنے اعزازات، مقامات سب اللہ کی عطاء کے مختلف مناظر بن کر سامنے آتے ہیں جو کثرت ذکر کا سبب بن جاتے ہیں۔

☆ علوم جدیدہ کا حصول مسلمانوں کا فریضہ ہے اور نئی ایجادات کو منصۂ شہود پہ لانا انکا کام، مگر اسکے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھیں اور یہ یاد رکھیں کہ ہم اول آخر مسلمان ہیں اور یہ سارے انعامات ہمارے ہی رب نے بخشے ہیں۔

☆ جس نے یہ ظاہر کے خزانے لٹائے ہیں وہ باطنی دولت نور ایمان ہے۔ وہ روشنی جس میں اللہ کا جمال نظر آتا ہے وہ احساس جو اللہ کو اپنے پاس محسوس کرتا ہے، وہ یاد جو اللہ کو دل میں بسا لیتی ہے۔ جسکے نتیجے میں انسانی اخلاق کی تعمیر ہوتی ہے۔ انسانوں کا کردار بنتا ہے۔ اور جس کی روشنی میں نام کا انسان واقعی انسان بنتا ہے۔

طریقہ ذکر

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ

مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمدورفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ اُس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

چھٹے لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتویں لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز رہے اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ:- ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کیلئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پہ لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا کر ٹکرائے۔

ذکر قلبی کے قرآنی اصول

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان چکوال
17-07-2009

الحمد لله رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ محمد وعلیٰ اٰلہ و اصحابہ اجمعین۔
اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم O
بسم الله الرحمن الرحیم O
واذکر ربك فی نفسك تضرعاً و خیفة ودون الجھر من القول بالغدو والاصال ولا تکن من الغفلین O
(الاعراف آیت:205)

قرآن حکیم اللہ کی وہ آخری کتاب ہے جواس نے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی اور جو قیامت تک لوگوں کے لئے دار دنیا کالائحہ عمل ہے جس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

زندگی اپنی رفتار سے رواں رہتی ہے اللہ کا نظام ہی ایسا ہے کہ وقت نہیں رکتا اور بڑے غیر محسوس طریقے سے پہلے لوگ گزرتے جاتے ہیں اور مزید دنیا میں وارد ہوتے رہتے ہیں اوردنیا کی رونق اور چہل پہل قائم رہتی ہے۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ میں اپنے ہی گاؤں کی اکثریت کو نہیں جانتا اتنے نئے لوگ آگئے ہیں جو ہمارے دیکھے بھالے نہیں ہیں اور جن سے واقفیت تھی وہ نظر نہیں آتے سوائے معدودے چند لوگوں کے حالانکہ نہ کوئی سانحہ ہوا نہ حادثہ رونما ہوا بس زندگی کی روش نے لوگوں کو تہہ خاک کردیا۔ آج ہمارے گاؤں کی وہی گلیاں ہیں جہاں ہمارا لڑکپن گذرا لیکن لوگ وہ نہیں ہیں اکثریت انکی ہے جن کی سوچیں مختلف ہیں، مزاج مختلف ہیں اور انداز مختلف ہیں اب یہ گلیاں اور سی نظر آتی ہیں۔ ماحول ہی بدل گیا ہے اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس دار دنیا میں انسان کے آنے اور گزر جانے کا مقصد کیا ہے؟ بچہ پیدا ہوتا ہے، بالغ ہوتا ہے، ذمہ داریاں سنبھالتا ہے، بچے پالتا ہے، مرجاتا ہے تو اس ساری تگ و تاز کا نتیجہ کیا ہے۔ ہر چیز کی تخلیق کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ انسان بھی کسی چیز کو خود بنائے خواہ مٹی کا برتن ہی کیوں نہ ہو یا بچے کا کھلونہ ہی ہو تو وہ بھی کسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے بنایا جاتا ہے جب انسان چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی کسی مقصد کے لئے بناتا ہے تو جس پروردگار عالم نے اتنی وسیع کائنات اور اس میں طرح طرح کی تخلیقات کی ہیں تو اس کا مقصد تخلیق بھی یقیناً ہوگا بے مقصد تو نہیں ہوسکتی وہ مقصد کیا ہے؟ کائنات اللہ نے اپنی شاہکار مخلوق انسان کی خدمت کے لئے تخلیق کی ہے اور نوع انسانی کو ایک خاص خوبی عطا کی ہے جو صرف انسان کا حصہ ہے اور وہ ہے اللہ کو پہچاننے کی قوت اور معرفت باری کی استعداد۔ یوں تو تمام مخلوقات اللہ کی اطاعت گزار ہیں مقرب فرشتے ہیں، حاملین عرش ہیں، ان سب کو احکام باری ملتے ہیں وہ حکم کی پیروی کرتے ہیں ہمیشہ کرتے رہتے ہیں کبھی سستی نہیں کرتے لیکن کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہونے کی استعداد ہی

نہیں کہ مالک کون ہے؟ کیسا ہے؟ کہاں ہے؟ جبکہ انسان کا بچہ ہوش سنبھالتے ہی یہ احساس رکھتا ہے اور اس کے دل میں پہلا سوال ہی یہ اٹھتا ہے کہ اللہ کہاں ہے کیسا ہے؟ یہ خصوصیت صرف نوع انسانی کو عطا ہوئی ہے اس لئے نبی آدمؑ کو عظمت نبوت سے نوازا گیا تھا انبیاء ورسل انسانی نسل سے ہی ہوئے ہیں فرشتہ، جن یا کسی اور نوع میں سے نہیں۔

مقصدِ تخلیق انسان

یہ بڑا سادہ سا سوال نظر آتا ہے کہ اللہ کون ہے اس کی ذات وصفات کیا ہیں؟ ہمارا اس سے رشتہ کیا ہے؟ وہ ہمیں کیا دے رہا ہے؟ ہم سے کیا مطالبہ کر رہا ہے اور ہم کیا اللہ کو کچھ دے سکتے ہیں؟ انسان جب بھی انبیاء علیہ السلام کی تعلیمات سے محروم ہوا تو اس نے اس سوال کا جواب بتوں کی صورت میں گھڑا تو ہمات، رسومات ورواجات کی صورت میں اس سوال کی تشفی کرنا چاہی لیکن اُسے کبھی جواب نہ مل سکا۔ کہ اس کا جواب صرف اللہ کے نبی علیہ السلام ہی دے سکتے ہیں اور وہ اپنے اپنے عہد میں دیتے رہے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کل انسانیت کے لئے تاقیامت کے لئے معبوث ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کا جواب دیا لا الہ الا اللہ

جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوا اور فلسفیوں سے کھل نہ سکا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

لا الہ الا اللہ نے اس سوال کا جواب دے دیا کہ وہ سب کا خالق و مالک ہے وہ اکیلا ہے لاشریک ہے تمام خوبیاں تمام بھلائیاں اسی کی ہیں تمام صلاحیتیں اور قابلیتیں اسی نے مخلوق میں بانٹی ہیں۔ صرف اسی کی ذات ہے جس کی اطاعت غیر مشروط اور بلا چوں و چرا کرنا مخلوق کی اپنی ضرورت ہے اور یہ صرف اسی کو سزاوار ہے کہ اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے اس بات میں وہ اکیلا ہے واحد اور لاشریک ہے۔

یہ سب باتیں مخلوق کو کس نے بتائیں؟ فرمایا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے! یہ باتیں جان کر آدمی یہاں پہنچتا ہے کہ اس کو اپنے سامنے پوری زندگی پڑی نظر آتی ہے جسے اس نے بسر کرنا ہے اور یہی اس کا امتحان ہے۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اللہ کی کتاب نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھا کھانے سے نہیں روکا شادی کرنے سے منع نہیں فرمایا کسی انسانی ضرورت کے آگے کوئی بند نہیں باندھا صرف ایک ترتیب بتائی ہے ایسی ترتیب جس کے مطابق کمائے کھائے گھر بسائے حلال وسائل سے اچھی گاڑی رکھے اچھا گھر بنائے اچھا لباس پہنے لیکن اس طرح کرے کہ پتہ چلے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اپنی پسند سے نہیں کسی اور کی پسند سے کر رہا ہے جو اس کا مالک ہے اس کے حکم کو پورا کرنے کے لیے کر رہا ہے اگر کوئی اُسے ناجائز چیز مفت بھی دے تو وہ انکار کر دیتا ہے کہ میرے مالک نے مجھے اس چیز سے روک دیا ہے رمضان المبارک آتا ہے تو وہ وقت مقررہ میں حلال اور پاک کھانے سے بھی رک جاتا ہے اس کا کھانا پینا سونا جاگنا اس کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق ہے یہ سادہ سی بات اسلام ہے اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بندے کے دل میں اللہ کی یاد بس جاتی ہے۔ اور یہ وہ اکیلا رشتہ ہے جو بندہ اس دنیا میں اللہ سے قائم رکھ سکتا ہے۔ ورنہ انسان ہو مادی وجود ہو اور خالق کی ذات لامحدود ہو تو کیسے رشتہ بنے؟

انسان مخلوق ہے اس کی سوچ اور فکر بھی مخلوق کی ہی ہے اس کا دماغ، ذہین اور ذہنی استعداد اللہ نے بہت وسیع عطا کی ہے۔آج کے سائنسدان کہتے ہیں کہ ذہین سے ذہین شخص کا بھی چودہ فیصد تک دماغ استعمال ہوا ہے باقی چھیاسی فیصد باقی ہے اگر صرف چودہ فیصد دماغی صلاحتیں استعمال ہوئی ہیں اور محیر العقول ایجادات کر لی گئی ہیں تو اگر باقی چھیاسی فیصد بھی استعمال ہوگا تو پتہ نہیں کیا کیا چیزیں ظہور پذیر ہوں گی جن کے بارے ابھی سوچا بھی نہیں جا سکتا لیکن یہ سب اللہ کی عطا ہے انسان کا ذاتی نہیں ہے۔ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اتنی وسعت فکر، ذہنی صلاحیتوں، عقل وشعور کی گہرائیوں کے باوجود دماغ اور عقل اللہ کو سما نہیں سکتے۔ دماغ اللہ کی ذات کو سوچ نہیں سکتا اس لئے کہ دماغ اپنی وسعت کے باوجود مخلوق ہے۔ انسان کی ہر چیز دائرہ تخلیق میں سے ہے لہٰذا جو چیز دائرہ تخلیق کے اندر آئے گی وہی مخلوق ہوگی اور خالق کی شان یہ ہے کہ وہ دائرہ تخلیق میں سما نہیں سکتا اس لئے انسان نہ خالق کو دیکھ سکتا ہے نہ اس کی کوئی مثال دے سکتا ہے نہ سوچ سکتا ہے تو پھر جس ہستی کو نہ سوچا جا سکتا ہے نہ دیکھا جا سکتا ہے نہ اسکی مثال ہے تو پھر اس کے ساتھ رشتہ کیسا رہے گا؟

عملی ذکر

یہ رشتہ بنانے کے لئے اللہ نے بندے کو یہ نصاب حیات دیا کہ تمہارے ہر قدم پر ہر سانس میں میری یاد تمہارے ساتھ رہے تم بات کرنے لگو تو یاد رہے کہ اس جملے کی اجازت ہے اور اس بات سے اللہ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اس طرح تمہارے ہر کام میں اللہ کی یاد رہے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد موجود رہے یعنی اللہ سے رشتے کی صورت اطاعت نبوی علیہ الصلوۃ والسلام ہے۔ یہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے بندہ اللہ سے رشتہ قائم کرتا ہے۔ جب اللہ سے یاد کا رشتہ استوار ہوتا ہے تو وہ بن دیکھے اُسے نظر آتا ہے۔ آنکھ نہیں دیکھتی لیکن اُسے احساس ہوتا ہے کہ میرا رب ہر حال میں میرے ساتھ ہے یوں ہر عبادت کا حاصل تعلق باللہ بنتا ہے۔ اللہ کریم نے صلوٰۃ کے بارے فرمایا ''**اقم الصلوٰۃ لذکری** ''میری عبادت کو قائم کرو کہ تمہیں میری یاد نصیب ہو۔ قیام، رکوع، سجود، روزہ، حج یہ سب کیا ہے؟ یہ سب اللہ کی یاد ہے اور ان کا آخری نتیجہ اللہ کی عظمت اور اسکی یاد کا دل میں راسخ ہو جانا ہے۔

عملی ذکر میں بھی خلوص شرط قبولیت ہے، جس کے لئے قلبی ذکر واجب کیا گیا۔ دنیائے آب وگل میں اللہ کریم نے ایک بہت وسیع دستر خوان بچھا دیا ہے۔ روئے زمین پر اللہ کی ساری تخلیقات صرف انسان کی خدمت کے لئے ہیں ان میں رنگا رنگ میوے ہیں، پرندے اور جانور ہیں زمین سے اُگنے والی نعمتیں ہیں زمین سے نکلنے والے خزانے ہیں۔ سمندروں پہاڑوں میں اللہ کی کثیر نعمتیں ہیں نئی نئی ایجادات ہیں انہیں درست طریقے سے برتنے کے لئے اور ان میں کھو کر ضائع ہو جانے سے بچنے کے لئے انسان کو نور نبوت سے حصہ نصیب ہو تو تب ہی وہ حق پر قائم رہ سکتا ہے۔ بدن کی حیات روح سے ہے اور روح کی حیات نور نبوت اور نور ایمان سے ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر تعلق ایمان ختم ہو جائے تو روح مر جاتی ہے۔ جیسا ایک عرب شاعر نے کہا تھا'' **واجسا مھم قبل القبور قبور ھم** ''کفار کے جسم قبر میں جانے سے پہلے

ارواح کی قبریں بن چکے ہیں یہ چلتی پھرتی قبریں ہیں ان میں مردہ روحیں ہیں یعنی روح کی حیات ایمان سے ہے، تعلق باللہ سے ہے اور تعلق باللہ کا واحد راستہ تعلق بالرسول ہے۔ چنانچہ یہ نعمت اللہ نے اس طرح عام کی کہ نبیؑ کے ارشاد میں جو کیفیات ہوتی ہیں وہ بندوں کے قلوب میں اتر کر بندے کا حال بن جاتی ہیں۔ انبیاءؑ جو کچھ فرماتے ہیں وہ دوسرے لیڈروں کی طرح سستی جذباتیت نہیں ہوتی حقائق ہوتے ہیں۔ دنیا میں بڑے بڑے لیڈر ہوئے ہیں جنہوں نے قوموں کی روش بدل دی ملکوں کے نقشے تبدیل کر دیئے۔ ان سب کے پاس کیا تھا؟ انسانی جذبات کو ابھارنے کا فن تھا وہ بڑی پر جوش لہجے دار تقریریں کرتے اور لوگ ان پر فریفتہ ہو کر ان کے ہمنوا ہو جاتے اور وہ کر گزرتے جو وہ کہتے۔ ہٹلر نے عالمی جنگ چھیڑ دی ماؤزے تنگ نے چین میں انقلاب برپا کر دیا، مسولینی، نپولین، سکندر اعظم کسی کو بھی دیکھ لیں انہوں نے کیا کارنامہ کیا؟ انہیں انسانی جذبات کو استعمال کرنے کا فن آتا تھا وہ اس جذبات کو بھڑکا کر اپنے مقاصد پورے کر گئے جب جذبے سرد ہو گئے تو لوگوں کی آنکھیں کھلیں۔ آج جرمنی میں ہٹلر کا نام کوئی سننا پسند نہیں کرتا چین میں ماؤ کو برا بھلا کہا جاتا ہے اس لیے کہ لوگوں کو ہوش آئی تو پتہ چلا کہ انہیں استعمال کیا گیا تھا۔

نبی علیہ السلام کا کمال

نبی علیہ السلام لوگوں کے جذبات استعمال نہیں کرتے بلکہ نبیؑ جو فرماتے ہیں وہ صرف الفاظ نہیں ہوتے ان الفاظ کے ساتھ کیفیات ہوتی ہیں الفاظ کانوں سے ذہن میں جاتے ہیں کیفیات دل میں اتر جاتی ہیں۔ بندہ وہ محسوس کرنے لگتا ہے جو نبیؑ فرماتا ہے اور پھر اس میں تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عالی کے وقت دنیا کا تاریک ترین عہد تھا۔ اور جزیرہ نمائے عرب پوری دنیا پر پھیلی برائی کا اکیلا مجموعہ تھا لیکن کیا اعلان نبوت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں باہر سے لوگ منگوائے یا نئے پیدا ہوئے وہی لوگ تھے جب انہیں نور ایمان نصیب ہوا، برکات نبوت دل میں اتریں تو لوٹ کر کھانے والے حلال کما کر ایثار کرنے والے بن گئے لوگوں سے نوالہ چھیننے والے بھوکے رہ کر بھوکوں کو کھلانے پر آ گئے وہی لوگ تھے لیکن سو فیصد بدل گئے ایسے تبدیل ہوئے کہ ایک محدود عرصے میں انہوں نے روئے زمین کے حالات بدل کر رکھ دیئے یہ کیسے ہوا؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن سناتے تھے اور اپنے منصب جلیلہ **لتبین للناس مانزل علیھم** کے مطابق قرآن کا مفہوم ارشاد فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حدیث ہے اور حدیث قرآن کی بہترین تفسیر ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی منصب ہے کہ لوگوں کو وضاحت سے سمجھا دیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کے بارے کچھ بتائیں تو انہوں نے فرمایا **کان خلقه القرآن** جو حکم اللہ قرآن میں دیتے وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا وہی قرآن کا حکم تھا۔

پھر صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی علمی وعملی تربیت پائی قرآن حکیم سنا، مفہوم قرآن سنا، ارشادات نبویؐ سنے، سنت نبوی کے چشم دید گواہ بنے۔ صحابہؓ نے وہی کلمہ پڑھا جو

ہمیں بھی الحمدللہ نصیب ہے یہی پانچ نمازیں ان پر فرض تھیں جو ہم پر بھی ہیں۔ پھر ہمارے ساتھ کیا مسئلہ ہے کہ یہ سب کچھ کرنے کے بعد ہماری عملی زندگی میں کچھ نہیں بدلتا۔ صحابہ کرامؓ تو اس وقت بدل گئے تھے جب ابھی نمازیں فرض نہیں ہوئی تھیں۔ رمضان کا حکم بعد میں آیا، سود بعد میں حرام ہوا، حلال حرام کی حدود و قیود وقتاً فوقتاً نازل ہوئیں لیکن صحابہؓ کی مبارک زندگیاں کلمہ پڑھتے ہی بدل گئیں فرق کیا تھا؟ فرق یہ تھا کہ صحبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے جو انوارات قلب اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ کے دلوں میں آئے انہوں نے زندگیاں بدل دیں۔ قرآن نے اس پر گواہی دی ثم تلین جلودھم و قلوبھم الی ذکر اللہ (الزمر آیت 23) ترجمہ "پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں (بیان القرآن) یعنی ان کی کھال سے لیکر نہاں خانہ دل تک ہر جزو بدن اللہ اللہ کرنے لگا۔ سائنس کی موجودہ تحقیق کے مطابق ایک انسان کے وجود میں تقریباً ڈھائی کھرب سیل ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ کے مطابق کھال سے دل تک ہر ذرہ وجود ذکر اللہ کی طرف متوجہ ہو گیا تو گویا جس وجود کے اڑھائی کھرب حصوں سے اللہ اللہ نکلا اس میں تبدیلی کیوں نہیں آئے گی؟ اور ہم میں تبدیلی اس لئے نہیں آتی کہ ہم ارشادات شریعت پڑھتے سنتے ہیں اور ایکٹنگ کرتے ہیں اس عمل کی اداکاری کرتے ہیں۔ آپ نے بھی دیکھا ہو گا کہ ڈرامے یا فلم میں سیٹ پر اداکار وہ بن جاتا ہے جس طرح کا کردار اُسے ادا کرنا ہوتا ہے۔ دنیا کو دکھانے کے لئے وہ کبھی دردمندانہ جملے بولتے ہیں کبھی جرأت مندانہ کبھی ایک حلیہ بناتے ہیں کبھی دوسرا چہرے کے اتار چڑھاؤ تک بناوٹی ہوتے ہیں جو اصلی لگتے ہیں۔ یہ سب کام کرنے کے بعد جب چھٹی ہو جاتی ہے تو پھر سارے لباس فاخرہ اور بناوٹی آرائش اتار کر وہ ویسے ہو جاتے ہیں جیسے پہلے ہوتے ہیں۔ ہم نے بھی احکام شریعت کو درونِ دل نہیں جانے دیا۔ احکام پڑھتے سنتے ہیں اور انکی اداکاری کرتے ہیں۔ وقت صلوٰۃ ہم بھاگتے دوڑتے مسجد آتے ہیں۔ تیزی اور جلدی میں وضو کرتے ہیں آدھے اعضاء گیلے آدھے خشک رہ جاتے ہیں پھر اسی افراتفری میں اٹھک بیٹھک کر کے بھاگ جاتے ہیں اور نماز کا بوجھ اتار دیتے ہیں۔ صحابہؓ کی صلوٰۃ یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ وتر کی ایک رکعت میں تیس پارے پڑھ لیتے تھے۔ ہم تو قل شریف بھی پورا نہیں پڑھتے وہ بھی انسان تھے انکی بھی انسانی ضروریات تھیں گھر بار، اولاد، کاروبار، بھوک، نیند سبھی کچھ تھا پھر وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ اُن کے وجود کے ہر سیل میں اللہ کا نام تھا اور ہماری زبان سے یہ نیچے نہیں اترتا۔ قرآن حکیم میں آٹھ سو بار بالواسطہ ذکر الٰہی کا حکم دیا گیا ہے۔ قبول اسلام کے بعد اسلام پر عمل، صلوٰۃ صوم، حج، زکوٰۃ ہے اس کے بعد ذکر کا حکم ہے اور یہ آٹھ سو بار تو قرآن میں بالواسطہ آیا ہے اور چھتیس بار براہ راست حکم آیا ہے۔ جو حکم براہ راست آیت قرآن سے دیا جائے اسے منصوص کہتے ہیں یعنی نص قرآنی سے ثابت شدہ حکم اور جو حکم قرآن کی آیت سے براہ راست دیا جائے وہ فرض اور واجب کے درجے میں آتا ہے۔ قرآن حکیم نے اگر اسے آٹھ سو چھتیس بار دہرایا ہے تو اس کا مطلب ہے یہ انتہائی ضروری حکم ہے۔ قرآن حکیم کا اعجاز یہ ہے کہ قیامت تک آنے والی نسل انسانی کی رہنمائی کے لئے ان تیس پاروں میں ہر زمانے اور ہر عہد کے ہر قوم و ملک کے لوگوں کے لئے رہنمائی ہے اور اس میں ان کی زندگیوں کا نصاب ہے۔ اور بحر منجمد شمالی و جنوبی

سے لے کر روئے زمین کی ساری انسانیت کے لئے یکساں مفید اور نفع بخش ہے اور ہر شخص کے لئے اس پر عمل آسان بھی ہے۔ قیامت تک آنے والے زمانوں میں کتنی ایجادات ہوں گی ضروریات پوری کرنے کے کتنے وسائل تبدیل ہوں گے لیکن احکام قرآن میں کچھ بدلنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی کہ ہر پیش آمدہ مسئلے کا حل انہی آیات میں پوشیدہ ہے۔ جب احکام میں اتنا اختصار ہے تو پھر ذکر اللہ کے حکم کو آٹھ سو چھتیس بار دہرانے میں کیا حکمت تھی۔ یہی کہ اس حکم کی اہمیت بیان فرمانا مقصود تھا جیسے سورہ اعراف کی اس آیت میں بتایا گیا ہے فرمایا **واذکر ربك فی نفسك**۔ اپنے رب کو یاد کیجئے اپنے دل کے اندر تضرعاً نہایت عاجزی سے **وخیفة ودون الجهر من القول**۔ نہایت عاجزی سے عظمت الٰہی سے لرزاں و ترساں اپنی عاجزی کا احساس لئے ہوئے کہ میں تو ایک انسان ہوں میرا مادی وجود غلاظتوں کا پلندہ ہے مجھے کانٹا چبھ جائے اور خون نکل کر چل پڑے تو وضو توڑ دیتا ہے۔ جسم سے کچھ خارج ہو جائے تو لباس ناپاک ہو جاتا ہے۔ یہ تو تیری مہربانی ہے کہ میری اس حیثیت کے باوجود تو نے اپنا نام لینے کی توفیق دی۔ فرمایا عاجزی کی اس کیفیت کے ساتھ کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں اور تیرا نام لینے کی یہ میری جرأت رندانہ تیری عطا ہے۔ **ودون الجهر من القول**۔ بغیر آواز بلند کیے یاد کر **بالغدو والاصال**۔ صبح و شام یعنی صبح بھی شام سے صبح تک اور صبح سے شام تک دن رات کا کوئی لمحہ خالی نہ ہو عربی میں اسے **بالغدو والاصال** کہتے ہیں اردو میں **علی الدوام** اور انگریزی میں اس کے معنی ہیں Round the clock یعنی ہمہ وقت ذکر جاری رہے۔ **ولا تکن من الغفلین**۔ اس کام میں غفلت نہ آنے پائے۔ جو کچھ بھول سکتا ہے بھول جا لیکن میری عظمت کو کسی لمحے نہ بھولنا اس طرف سے کبھی غافل نہ ہونا۔ نیند ہر چیز سے غافل کر دیتی ہے پریشانیاں بھول جاتی ہیں۔ مسائل پردہ غفلت میں چلے جاتے ہیں اور جب نیند کھلتی ہے تو تمام مسائل اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ فرمایا سونا تیری ضرورت ہے سو جا لیکن میری یاد سے غافل نہ ہونا۔ غفلت تو برسوں کی بھی ہوتی ہے اور غفلت لمحوں کی بھی ہوتی ہے نتائج دونوں کے خطرناک ہوتے ہیں شاعر نے اسے یوں بیان کیا ہے۔

رفتم کہ خار از پا کشم　　محمل نہاں گشت از نظر
یک لحظہ غافل چوں شدم　　صد سالہ راہ ہم دور شد

ایک لمحے کی غفلت نے مجھے صدیوں پیچھے پھینک دیا۔

میں رکا کہ پاؤں سے کانٹا نکال دوں اتنی دیر میں محبوب کی سواری آنکھوں سے اوجھل ہوگئی اور میں محبوب سے دور ہوگیا۔

ہم سے جو یہ سوال کرتے ہیں کہ ذکر قلبی کیوں کرتے ہو تو انہیں کہیے کہ سورہ اعراف آیت نمبر 205 کا کوئی عملی نمونہ بنا کر دکھائیں۔ قلبی ذکر کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں کہ غفلت سے بچا جائے، سونے میں، بے ہوشی میں بھی قلب چلتا رہتا ہے۔ جب تک موت نہیں آتی یہ چلتا رہتا ہے یہ پرزہ انسان کے بدن میں ایسا ہے جو کبھی نہیں رکتا اسے قلب کہتے ہیں فرمایا اپنے دل کی گہرائی میں مجھے یاد کرتا کہ غفلت نہ آئے۔ دل نے تو اپنا کام کرتے رہنا ہے۔ وجود کسی بھی کام میں مصروف ہو، سفر میں ہو یا حضر میں، جاگ رہا ہو یا سو رہا ہو، بندہ بیمار ہو یا صحت مند، خاموش ہو یا بات کر رہا ہو یہ دھڑکتا رہتا ہے۔ فرمایا میری یاد کو میرے نام کو اس جگہ بسا دو تا کہ تم کچھ بھی کر رہے ہو دل دھڑکتا رہے اور اس

سے اللہ اللہ نکلتی رہے یہ منصوص حکم ہے اس کے بغیر بات بنتی ہی نہیں نویں پارے میں سورہ اعراف کی دوسری آخری آیت ہے اس کے بعد آیت سجدہ ہے جوالاعراف کی آخری آیت ہے۔ ذکر قلبی کرنے کا عملی نمونہ اس میں موجود ہے۔ ذکر قلبی کے سوا چارہ ہی نہیں۔ انسان کا اللہ سے رشتہ ہی یاد کا ہے۔ بندہ اپنے مالک کا شکر بھی تب ہی ادا کرسکتا ہے جب اس کی یاد اس کے دل میں ہو۔

اللہ کریم نے انسان کو اتنی نعمتیں دی ہیں کہ وہ گن نہیں سکتا۔ ہمارا جسم بھی ایک جہان ہے جس میں سائنسدانوں کے مطابق ڈھائی کھرب مخلوق بستی ہے وجود انسانی نہایت باریک و لطیف Cells کا مجموعہ ہے کوئی سیل چھ ماہ سے زیادہ نہیں چلتا جوانی میں نئے سیل طاقتور بنتے ہیں، بڑھاپے میں پہلے سے زیادہ کمزور بنتے ہیں یوں غیر محسوس طریقے سے بڑھاپا طاری ہو جاتا ہے۔ ہر وجود میں سیل کے اندر پوری زندگی کی کتاب کا پروگرام درج ہے اگر یہ cell پڑھا جاسکے تو اس کی پیش آمدہ زندگی کا پروگرام پتہ چل سکتا ہے کہ کس عمر میں اس کے بال سفید ہونا شروع ہوں گے؟ نظر کمزور ہونا شروع ہوگی، کس عمر میں کونسی بیماری آئے گی گویا ہر سیل میں کتاب زندگی درج ہے۔ یہ تحقیق سائنس کی ہے تو سب مان رہے ہیں اور یہی بات جب قرآن کہتا ہے تو سب کے دل میں سوال اٹھتے ہیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ قرآن نے کہا **ونحن اقرب الیہ من حبل الورید۔** کہ اللہ کی ذات اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہے۔

بہر حال ذکر قلبی معمولی دولت نہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کے بغیر قرآن حکیم کے احکام کی کما حقہ تعمیل ہوتی ہی نہیں دوسری بات یہ ہے کہ یہ اتنا اہم حکم ہے کہ آٹھ سو چھتیس بار اسے دہرایا گیا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ یہ ہر جگہ نہیں ملتا اسے حاصل کرنے میں لوگوں نے عمریں لگا دیں۔ ہمیں تو کچھ بھی نہیں کرنا پڑا اللہ کے ایک بندے نے گھر بیٹھے اس میں لگا دیا۔ بزرگوں نے تو دنیا میں سیاحت کر کے اسے پایا اور سیاحت کر کے اسے بانٹا۔ سیّد علی ہجویریؒ ہوں یا معین الدین چشتی اجمیریؒ یہ کہاں پیدا ہوئے کہاں سے سیکھا کہاں تک سفر کر کے پہنچایا اس نعمت کو اللہ کے بندوں تک پہنچانے میں بے قرار رہے کہ اللہ کی رضا اسی میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اس میں ہے کہ جو ملا ہے اسے آگے پہنچاؤ۔ **بلغوا عنی ولو آیہ او کما قال** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جملہ بھی کسی کے پاس ہو تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ہے اسے دوسروں تک پہنچانا فرض ہے۔ تو جس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیات ہوں! لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و برکات کو سیکھنا بھی فرض ہے اور آگے پہنچانا بھی فرض ہے۔ صلوٰۃ کی ادائیگی فرض ہے اس وقت وضو کرنا بھی فرض ہو جاتا ہے۔ وضو خود فرض نہیں ہے لیکن صلوٰۃ کے لئے وضو فرض ہوگا اور وضو کے لئے پانی تلاش کرنا فرض ہوگا۔ قبلہ کی سمت کا تعین کرنا فرض ہوگا یہ سارے فرائض بالواسطہ فرض ہوں گے اسی طرح ذکر قلبی کرنا فرض ہے واجب ہے تو اس کا سیکھنا بھی فرض ہے اسے آگے سکھانا بھی فرض ہے اسی بات پر نہ رک جاؤ کہ میں نے بہت سیکھ لیا ہے میرا کام ہو گیا۔ نہیں جب آپ نے سیکھا تو حکم کے ایک حصے پر عمل کیا اب آگے پہنچانا دوسرے حصے پر عمل ہے۔ ذکر قلبی برکات نبوت کسی کی ذاتی نہیں ہیں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ہے اس امانت کی ادائیگی واجب ہے۔ لوگ مانیں یا نہ مانیں ہمارا فرض منوانا نہیں ہے دل کی محبت اور اخلاص کے ساتھ پہنچانا ہے۔ ساتھی کہتے ہیں لوگ مذاق

اڑاتے ہیں کیا دین کی تبلیغ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی کے ساتھ یہی روا نہیں رکھا گیا؟ کیا صحابہؓ کا مذاق نہیں اڑایا گیا۔ انسان کسی انسان سے دوستی کرے تو اسے طنز وتشنیع سننا پڑتی ہے۔ کبھی اللہ اور اللہ کے نبی ﷺ کی دوستی کے پیچھے بھی مذاق سہہ لو اگر کوئی اس دوستی پر مذاق اڑاتا ہے تو صبر کرو یہ تو وہ سرٹیفکیٹ دے رہا ہے کہ تمہارا اپنے اللہ اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق ہے۔ اگر یہ تعلق نہ ہوتا تو پھر یہ بدسلوکی کیوں روا رکھتا۔ قرآن گواہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس راستے میں بہت ساری صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ ہر نبیؑ نے اللہ کا پیغام پہنچایا کیا کسی نبیؑ نے کہا کہ لوگ تو میرا مذاق اڑائیں گے اور لوگوں نے کیا کیا نہ کہا، کبھی کہا کہ بزرگوں کا دین چھوڑ کر آپ کی بات کیوں مانیں؟ کسی نے کہا اس وسیع کائنات کا اکیلا مالک کیسے ہوسکتا ہے؟ ان دیکھا معبود کیسے ہوسکتا ہے؟ کسی نے کہا جادو کا اثر ہے کسی نے کہا دیوانوں جیسی باتیں کرتا ہے کون سا طعنہ ہے جو انبیاءؑ کو نہیں دیا گیا اور سب نے خندہ پیشانی سے اسے برداشت کیا۔ قرآن حکیم سب کے حالات بیان کرنے کے بعد بتاتا ہے کہ تمام انبیاءؑ نے لوگوں سے کہا **لا اسئلك عليه من اجر** کیا میں تم سے اس بات ماننے کے عوض کوئی اجر مانگ رہا ہوں، کیا تم سے اقتدار مانگ رہا ہوں یا دولت کا خواستگار ہوں کچھ بھی نہیں میرا اجر تو اللہ رب العلمین کے پاس ہے۔ میں تو تمہیں کچھ دینا چاہتا ہوں لہٰذا دین کو پیشہ نہ بنایا جائے نہ اپنی بڑائی اور بزرگی کا ذریعہ بنایا جائے۔ بڑائی کسی بندے کے لئے ممکن ہی نہیں صرف اللہ بڑا ہے، اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بے مثل و بے مثال بنایا ہے اپنا محبوب بنایا ہے یہ برکات یہ تعلق یہ ذکر قلبی اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی امانت ہے اس تعلق کا تقاضا ہے کہ اللہ کا پیغام آگے پہنچایا جائے یہ توفیق الٰہی ہے جتنا کوئی کرسکے کرے۔

یہ سوال ہی کیسے پیدا ہوتا ہے کہ ذکر قلبی کیوں کریں؟ اس کے بغیر خلوص سے اتباع نبوی علیہ الصلوٰۃ کرنے کا کوئی راستہ ہی نہیں اور جو یہ پوچھتے ہیں کہ ذکر قلبی کا یہ طریقہ کہاں سے لیا ہے تو انہیں سورہ اعراف کی یہ آیت دکھاؤ اور ان سے کہو اس کی عملی شکل بنا کر دکھائیں کہ دل میں اللہ کی یاد ہو، لب سے آواز نہ نکلے عجز و تضرع اور زاری کی کیفیت ہو اور بھول کا کوئی لمحہ نہ آئے۔ نیند اور بے ہوشی قلب سے یاد الٰہی کا تسلسل ختم نہ کرسکے **ولا تكن من الغفلين**۔ کوئی لمحہ غفلت کا نہ آئے۔ سانسیں ختم ہوجائیں یاد الٰہی کا تسلسل نہ ختم ہو۔ یہ ایسی دولت ہے کہ انسان مرجاتا ہے دل کی دھڑکن رک جاتی ہے لیکن روح میں بسا اللہ کا نام جاری رہتا ہے۔ قلبی ذکر چلتا رہتا ہے ذکر الٰہی نہیں رکتا جاری رہتا ہے۔ قبر میں برزخ میں اور حشر میں بھی ذکر کرتا ہوا اٹھے گا۔ کتنے خوش نصیب ہوں گے وہ لوگ جو میدان حشر میں آئیں گے اور ان کے وجود سے ہر لمحے ڈھائی کھرب بار اللہ اللہ نکلے کیا منظر ہوگا کیسے کیسے اللہ کے بندے ہوں گے۔

واٰخر دعوانا عن الحمد لله رب العلمين

دعائے مغفرت

☆ سلسلہ عالیہ کے ساتھی حاجی کریم حیدر (ہری پور) وفات پاگئے۔

☆ سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد عثمان (کوئٹہ) کے والد محترم وفات پاگئے۔

ان سب کے لئے ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

احکام شریعت پر عمل

اکرم التفاسیر سے اقتباس

امیر محمد اکرم اعوان

پارہ 6 لایحب اللّٰہ سورہ مائدہ رکوع ۱ آیات 1 تا 2

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم○

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم○

یا ایھا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود۔۔۔ان اللّٰہ یحکم مایرید○

یا ایھا الذین اٰمنوا لاتحلوا۔۔۔ان اللّٰہ شدید العقاب○

سورہ مائدہ کا شمار مدنی سورتوں میں ہوتا ہے۔ سورتوں میں زیادہ زور توحید باری، اوصافِ باری اور عقائد کی پختگی پر ہے اور مدنی سورتوں میں احکام کی وضاحت پر زیادہ توجہ دی گئی ہے اس لئے کہ مدینہ منورہ اسلامی ریاست بن چکی تھی اس میں نظام حیات نفاذ ہورہا تھا اس لئے معاملات دنیوی کے احکام پر زور دیا جارہا تھا اس سورہ کی پہلی آیت مبارکہ ایک حکم سے شروع ہورہی ہے وہ ہے عہد کی پابندی فرمایا **یا ایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود** کہ جن لوگوں کو نور ایمان نصیب ہوا ہے اور جو اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ اپنے وعدے ایفاء کریں۔

عہد کا پورا کرنا فرض عین ہے:

یہ اصول ہے کہ جو حکم براہ راست قرآن حکیم سے ثابت ہوتا ہے وہ فرض عین ہے یہاں فرمایا گیا ہے کہ مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ وعدہ خلافی کرے۔ کیونکہ اسے حکم دیا گیا کہ وعدہ پورا کرو۔

عقود یعنی وعدے کیا ہیں ان کی صورتیں کیا ہیں؟

مسلمان اللہ کے روبرو ہونے کا احساس رکھتے ہوئے اپنی ذمہ داری پر وعدہ کرتا ہے کہ وہ اسے پوری دیانتداری سے پورا کرے گا۔ مسلمان کا سب سے پہلا وعدہ کلمہ طیبہ کا اقرار ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو زبان سے قبول کر کے دلی رضا مندی اور تصدیق کے ساتھ وہ جو عہد کرتا ہے اس کی عملی زندگی اس پر شہادت دیتی ہے اگر وہ دنیا کے لالچ میں اللہ کے حکم کے خلاف کسی دوسرے کی اطاعت کرتا ہے تو گویا اس نے اللہ کی الوہیت کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا نہیں کیا یا کسی سے ڈر کر خلافِ شریعت عمل کرتا ہے تو بھی وعدہ خلافی کرتا ہے۔ اطاعت کی دو صورتیں ہیں اُمید منفعت اور خطرہ مفر وا گر نفع کی امید اور نقصان کا خوف اللہ کے سوا کسی دوسرے سے وابستہ کرلیں اور اللہ کی نافرمانی کرے تو یہ شرک ہے اور یہ صورت کسی دوسرے کے علاوہ اپنی خواہشاتِ ذات خواہشات نفس کی پیروی میں بھی ہے۔ اللہ پاک سورہ الفرقان (آیت 43) میں فرماتے ہیں **ارءیت من اتخذ الٰہ ھو لہٗ**۔ آپ نے اس شخص کی حالت دیکھی جس نے اپنی خواہش نفسانی کو اپنا الٰہ یعنی اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ خواہش نفس کی عبادت سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کوئی بھی شخص خواہش نفس کو مجسم کر کے سامنے رکھ کر سجدے تو نہیں کرتا اس کے دل میں خواہش اٹھتی ہے اگر وہ غلط ہے تو اللہ کریم کی نافرمانی کا کام ہے بندہ اللہ کریم کے روکنے سے جب نہیں رکتا تب یہ خواہش نفس کی عبادت کہلاتی ہے اسی طرح کسی دوسرے کو اپنا رب مانتا ہے اسے حاجت روا سمجھتا

خوشخبری

حضرت امیر المکرمؒ کے نو دریافت طبی نسخوں میں اضافہ

حضرت امیر المکرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ صحیح معنوں میں ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو ان کی دسترس سے باہر ہو۔ طب و حکمت سے تو بطور خاص ہر دور میں صوفیا عظام اور علماء کرام کو خاص شغف رہا۔ حضرت امیر المکرم بھی اس شعبہ میں پیچھے نہیں اور مختلف جڑی بوٹیوں اور قدرتی اجزاء سے ایسے نسخہ جات دریافت فرما رہے ہیں جو مختلف بیماریوں سے نجات کے لئے انتہائی موثر ہیں حال ہی میں حضرت امیر المکرم کے نو دریافت نسخہ جات میں انتہائی خوش آئند اضافہ ہوا ہے۔ ضرورت مند استفادہ کر سکتے ہیں۔

کلسٹرو کیئر
Cholestro Care
Rs.300
کلیسٹرول کو صحیح حالت پر رکھتا ہے

پین گو
Pain Go
Rs.100
ہر طرح کے درد کے لئے مفید ہے

ہیر گارڈ آئل
Hair guard Oil
Rs.500
بالوں کی صحت کے لئے مفید ہے۔

CoughEz
Rs.30
کھانسی کیلئے گولیاں

ملنے کا پتہ:- دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال فون 0543-562200
17- اویسیہ ٹاؤن شپ لاہور فون 042-5182727

ہے اور اس لیے اسے ناراض نہیں کرتا اللہ کی نافرمانی کر لیتا ہے تو یہ بھی شرک کی صورت ہے۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ اپنے رسالے خدام الدین میں فرماتے ہیں کہ جب اذان ہوتی ہے اور بندہ اپنی دکان نہیں چھوڑتا کاروبار کرتا رہتا ہے ذہن میں کاروبار کی اہمیت نماز سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے کہتا ہے خیر ہے ابھی نماز میں بڑا وقت ہے پڑھ لیں گے لیکن اٹھتا نہیں کہ اٹھ جاؤں گا تو میری روزی کم ہو جائے گی لوگ دوسری دکانوں پر چلے جائیں گے تو فرماتے ہیں کہ ایسا شخص اللہ کی ربوبیت کا قائل نہیں اس نے دکان کو ہی اپنا رب سمجھ رکھا ہے۔

وعدے کی بے شمار صورتیں ہیں لیکن دوسری اہم صورت نکاح ہے کہ اللہ کے نام پر مل کر عمر گزارنے اور معاشرے کو بہترین افراد مہیا کرنے کا جو عہد اللہ کے روبرو کیا جاتا ہے وہ نکاح ہے۔ نکاح اس لئے نہیں ہوتا کہ میاں ساری عمر بیوی کو نیچا دکھاتا رہے اور بیوی میاں کو نیچا دکھائے۔ ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ شادی ہوتے ہی دیکھا جانے لگتا ہے کہ غلبہ میاں کا ہے یا بیوی کا وہ اپنی بات منواتا ہے یا یہ اپنی بات منواتی ہے۔ حالانکہ یہ دو بندے اللہ کے نام پر ایک دوسرے پر حلال ہوتے ہیں اور عہد کرتے ہیں کہ مل کر ایک دوسرے سے تعاون کر کے اپنی زندگی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں گزاریں گے اور آنے والی نسلوں کو نیک، صالح، دیندار شریف انسان بنائیں گے۔

وعدے کی ایک اور صورت حکمرانوں کا حکومت میں آنے کے لئے ووٹ لیتے وقت وعدہ کرنا ہے۔ الیکشن سے پہلے بہت خوبصورت وعدے ہوتے ہیں جب الیکشن کے نتیجے میں اسمبلیوں میں پہنچ جاتے ہیں تو کہتے ہیں یہ عہد پورے کرنا بہت مشکل کام ہے یہ نہیں ہوسکتا۔ مثلاً صدر ضیاء الحق مرحوم نے ایک ریفرنڈم کروایا کہ اگر آپ کو اسلام کا نفاذ منظور ہے تو اس کا مطلب ہے میں مزید پانچ سال صدر رہوں گا اور اسلام نافذ کروں گا اور اگر آپ کو اسلام کا نفاذ منظور نہیں تو پھر صدارت نہیں ہوگی۔ اب کون تھا جو کہتا کہ اسے اسلام کا نفاذ نہیں چاہیے پھر جیتنے کے بعد انہوں نے تقریر کی اور فرمانے لگے کہ میں نے دو وعدے کیے تھے ایک یہ کہ اسلام نافذ کروں گا دوسرا یہ کہ مزید پانچ سال صدر رہوں گا تو نفاذ اسلام والا وعدہ تو مشکل نظر آرہا ہے دوسرا البتہ میں ضرور پورا کروں گا اور پاکستان کے تمام حکمرانوں میں سے میرے علم کے مطابق ضیاء الحق مرحوم ذاتی حیثیت میں دینی اعتبار سے سب سے بہتر آدمی تھا لیکن وعدے کی پابندی اور ایفائے عہد انہوں نے بھی نہیں کیا۔

آج اخلاقی حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ موجودہ حکمران نے بڑی آسانی سے کہہ دیا کہ وعدہ کوئی قرآن وحدیث تو نہیں کہ ضرور پورا کیا جائے اور انہوں نے کبھی قرآن حدیث پڑھا ہوتو یاد ہوکہ وعدہ پورا کرنا اللہ کا حکم ہے جو اس نے قرآن میں نازل کیا ہے۔ **اوفوا بالعقود** کہ جو وعدے کرتے ہو وہ پورے کرو ہم معاملاتِ زندگی میں بہت سے وعدے کرتے ہیں عہد کرتے ہیں پھر یا تو بھول جاتے ہیں یا پرواہ نہیں کرتے یا حالات بدل جاتے ہیں یا ہم خود کو بدل دیتے ہیں تو درست بات یہ ہے کہ وعدہ پورا کرنا چاہیئے۔

جانوروں میں حلّت وحرمت:

ایفائے عہد کے بعد دوسرا حکم حلّت وحرمت کا ہے۔ فرمایا **اُحلت لکم بھیمہ الانعام الا مایتلیٰ علیکم**۔ تمام جانور تمہارے لئے حلال کر دیئے گئے ہیں سوائے اُن کے جو قرآن نے حرام کر دیئے ہیں، جن کے بارے تم تلاوت کرتے ہو

پڑھتے ہو کہ یہ حرام ہیں۔ اللہ کریم نے بے شمار جانور اور پرندے پیدا کیے ہیں جو سب حلال ہیں سوائے ان کے جن کو اللہ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادیا کہ وہ حلال نہیں، علماء حق فرماتے ہیں کہ اصل میں ہر چیز میں اباحت ہے حلت ہے اصل میں اباحت ہے حلت ثابت نہیں کرنا پڑتی کہ فلاں چیز حلال ہے بلکہ یہ ثابت کرنا پڑتا ہے کہ فلاں چیز حرام ہے۔ جس کی حرمت شرعی آجائے وہ حرام ہے جس کی حرمت شرعی نہیں وہ حلال ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **خلق لکم ما فی الارض جمیعا** (البقرۃ 29) اللہ نے روئے زمین پر جو کچھ پیدا کیا ہے اے انسانو! وہ سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔ تمہاری ضرورت پوری کرنے اور تمہارے استعمال کے لئے پیدا کیا ہے۔ اسی طرح یہاں فرمایا تمام جانور تمہارے لئے حلال ہیں سوائے ان کے جو قرآن نے حرام کردیئے **الا ما یتلیٰ علیکم** ٥ جن کے بارے تم تلاوت کرتے ہو اور پڑھتے ہو کہ وہ حرام ہیں۔ **غیر محلی الصید و انتم حرم** اور جب تم حج کے احرام میں ہوتے ہو تو پھر شکار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ شکار کرو گے تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ حالت احرام میں حلال جانور کا شکار بھی کیا جائے تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ حلال جانور بھی حالت احرام میں شکار کرنے سے حلال نہیں رہے گا **ان اللہ یحکم مایرید** ٥ یہ عجیب بات نہیں ہے اس لئے کہ اللہ جو چاہتا ہے وہ حکم دیتا ہے یہ اس کا حق ہے اسی کی شان ہے وہ تمام حکمتوں کو جاننے والا ہے۔ اس کی حکمت بھی وہی جانتا ہے کہ حالت احرام میں شکار کی ممانعت کیا ہے! یہ اللہ کا حکم ہے اور اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

حالت احرام ایک کیفیت ہے:

احرام کی حالت تو ایک خاص کیفیت ہے بندہ دو ان سلی چادروں میں لپٹا ہر اچھے لباس سے منہ موڑ کر ہر طرف سے کٹ کر **لبیک اللّٰھم لبیک لا شریك لك لبیك** پکارتا ہے کہ اے اللہ میں تیری بارگاہ میں آگیا ہوں تیرا کوئی شریک نہیں تجھ جیسا کوئی دوسرا نہیں پھر وہ اسی طرح متوجہ الی اللہ ہو کر یوم حشر کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے آئندہ کے لئے نیکی کی توفیق مانگتا ہے تو اس حال میں بھلا وہ شکار کی طرف کیسے متوجہ رہ سکتا ہے۔ تو حالت احرام میں شکار کی ممانعت کی حکمتیں اللہ ہی جانتا ہے جس کا یہ حکم ہے۔

جس کام سے اللہ روک دے اس میں حرمت آجاتی ہے:

اِن اللہ یحکم مایرید۔ یہ اس کی کائنات ہے وہ جو چاہے حکم دے جو چاہے قانون نافذ کرے کسی کے پاس اعتراض کی گنجائش نہیں اور قانون یہ ہے کہ جس کام سے اللہ روک دے وہ کام کریں تو اس میں حرمت آجائے گی وہ کام حرام ہو جائے گا ناجائز ہو جائے گا۔

یا ایھا الذین امنوا لاتحلوا شعائر اللہ۔ اللہ پر ایمان لانے والو اللہ کی عظمت کی نشانیوں کے عزت احترام میں فرق نہ آنے دو شعائر اللہ کیا ہیں؟ وہ تمام چیزیں جن سے اللہ کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے اس لئے تمام احکام شریعت شعائر اللہ ہیں کہ ان سے اللہ کی عظمت اور اس کی حاکمیت اعلیٰ کا اظہار ہوتا ہے بیت اللہ اور دنیا کی تمام مساجد شعائر اللہ میں صفاء مروہ کی پہاڑیاں اور ان کی سعی شعائر اللہ میں اللہ کی عظمت کی نشانیاں ہیں اور وہ جانور جو قربانی کے لئے مختص کیے جاتے ہیں اور حرمت والے مہینے۔ فرمایا **لاتحلوا شعائر اللہ** اللہ کے شعائر کی بے حرمتی نہ کرو۔ احکام الٰہی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات

عظمت الٰہی کی دلیل ہیں۔ بیت اللہ شریف، مسجد نبوی شریف، صفاء و مروہ کی عزت و احترام کو ہر صورت بحال رکھو ایسے ہی جو جانور قربانی کے لئے مختص کر دیئے جائیں انہیں چوری کرنا، یا اذیت دینا حرام ہے۔ **ولا الشھر الحرام**۔ اور حرمت والے مہینوں کی حرمت قائم رکھو چار مہینے ایسے ہیں جن کی حرمت شرعی ہے ان میں اگر کافر جنگ چھیڑے تو مسلمانوں کو جواب دینے کی اجازت ہے اور مسلمان تو ویسے ہی ان مہینوں میں جنگ نہیں کرتے۔ **ولا الھدی ولا القلآئد**۔ اور ان جانوروں کی بھی بے حرمتی سے بچو جو قربانی کے بیت اللہ لیجائے جا رہے ہوں اور شناخت کے لئے جن کے گلے میں پٹے بندھے ہوئے ہوں تا کہ ہر دیکھنے والے کو پتہ چل جائے کہ قربانی کے جانور ہیں۔ جب شعائر اللہ کے احترام کی اس درجہ تعظیم لازمی ہے تو جو مساجد پر بم گراتے ہیں وہ کس قدر قبیح جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مساجد سے جوتے چوری کرنا یا گھڑیاں اتار کر لے جانا یا مساجد میں بیٹھ کر دنیوی باتیں کرنا یا کسی کے خلاف منصوبہ سازی کرنا یہ سب مسجد کی توہین ہے اور فعل حرام ہے۔ دنیا کی ساری ہی مساجد شعائر اللہ ہیں کہ مسجدیں صرف اللہ کی ہیں اللہ کی عبادت کے لئے ہیں لیکن اب تو شاید ہی کوئی مسجد نظر آئے ورنہ اکثر کہا جاتا ہے یہ حنفیہ مسجد ہے یہ قادریہ ہے یہ اہل حدیث کی ہے وغیرہ حالانکہ اللہ کا فرمان ہے **وان المساجد للہ**۔ تمام مسجدیں صرف اللہ کی ہیں ان میں کسی کو اللہ کی عبادت کرنے سے نہیں روک سکتا ہاں غیر شرعی امور کرنے کی اجازت نہیں اور یہ بھی شریعت نے منع کر دیا ہے۔ تو فرمایا **ولا امین البیت الحرام**۔ ایسے لوگ جو بیت الحرام کو جا رہے ہوں اور اللہ کی رضا مندی اور اس کے فضل کے طالب ہوں۔ **یبتغون فضلاً من ربھم و رضوانا**۔ انہیں بھی نہ روکا جائے۔ **واذا حللتم فاصطادوا**۔ ہاں جب تم حلال ہو جاؤ یعنی جب تم حج کر چکو سر منڈا کے احرام کھول دو اور حد حرم سے باہر آ جاؤ کہ حد حرم میں تو سارا سال ہی شکار حرام ہے تو پھر جب حرم سے باہر آ جاؤ تو شکار کر سکتے ہو یعنی حد حرم سے باہر ہو اور احرام کھول چکے ہوں تو پھر شکار حلال ہے۔

حلال جانور کا شکار:

حلال جانوروں کے شکار کی اجازت ہے تا کہ ان کا گوشت استعمال کیا جائے شغل کے طور پر جانوروں کو مارنا اور اسے کھیل بنا لینا ناجائز ہے یہ تو درست ہے کہ اپنے اہل خانہ کے یا چند کنبے مل کر شکار کا گوشت بانٹ لیں اس لئے کہ چند شکاری مل کر شکار کر لیں چند پرندے شکار کر لیں کوئی بڑا جانور ہرن وغیرہ شکار کر لیں اور اُسے استعمال کر لیں۔ لیکن یہ جائز نہیں کہ کئی سو پرندے مار لئے ہرن مار کر اس کی کھال لے آئے اور گوشت وہیں پھینک آئے ضرورت کے لئے شکار کرنا جائز ہے شغل کے لئے شکار کرنا جائز نہیں۔ شاہ اسمٰعیل شہید اکثر ہرن کا شکار کیا کرتے تھے اس زمانے میں شکار کا گوشت بازار میں فروخت بھی ہوتا تھا تو کسی نے عرض کی کہ آپ اتنے بڑے عالم اور متقی شخص ہیں آپ شکار پر وقت کیوں ضائع کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ سب سے بہترین گوشت وہی ہے جو بندہ شکار کر کے خود ذبح کر کے کھاتا ہے کہ اس طرح وہ یہ رزق براہ راست اللہ سے لیتا ہے۔ درمیان میں نہ دکاندار نہ تاجر کسی کے کاروبار کی اچھائی برائی کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا شکار کا گوشت **الطیب الرزق** ہے یعنی پاکیزہ ترین رزق۔ آپؒ کے الفاظ ہیں شکار کا گوشت **الطیب الرزق** ہے۔ شکار میں جہاد کی بہترین تربیت ہوتی ہے گھات لگانا، نشانہ بازی اس طرح جہاد کی عملی تربیت ہوتی ہے۔

مسئلہ:

بعض لوگوں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر تکبیر پڑھ کر گولی چلائی جائے اور جانور ذبح ہونے سے پہلے مر جائے تو وہ حلال ہے۔ یہ فتویٰ درست نہیں اس لئے کہ گولی تیز دھار آلہ نہیں اور ذبح میں کاٹنا شرط ہے اس میں لوہے کی دھار ہی شرط نہیں تیز دار پتھر سے بھی تکبیر پڑھ کر جانور کی گردن کاٹ دی جائے تو حلال ہو جاتا ہے اسی طرح شیشہ اگر تیز دھار ہے اور تکبیر پڑھ کر اس سے ذبح کر لیں تو بھی حلال ہے لیکن گولی پتھر کی مثال ہے جو جسم کو توڑتی ہے اور توڑ کر زخم بناتی ہے جو مہلک ہوتا ہے۔ اگر کوئی جانور کنوئیں میں گر گیا اور ایسا زخمی ہوا کہ اندیشہ ہے باہر نکلنے تک زندہ نہ رہے گا تو ایسی حالت میں تکبیر پڑھ کر کوئی تیز دھار چیز پھینکی جائے جو اس کے جسم کو کاٹ دے خون نکل آئے تو وہ جانور حلال ہے۔ اسی طرح تیر سے ماریں چاقو سے ماریں گلا کٹے یا نہ کٹے جسم کہیں سے بھی کٹ جائے لیکن کٹے تیز دھار آلے سے تو وہ حلال ہے گولی پتھر کی مثال ہوتی ہے اس کے پیچھے البتہ بارود کی طاقت ہوتی ہے وہ جسم کو توڑ کر پار ہو جاتی ہے جن لوگوں نے اس پر جواز کا فتویٰ دیا ہے انہوں نے اس پہلو پر توجہ نہیں فرمائی یا ہوسکتا ہے انہوں نے زندگی بھر کبھی بندوق سے فائر بھی نہ کیا ہو۔ لہٰذا اصول یہ ہے کہ ذبح میں کاٹنا شرط ہے کوئی تیز دھار چیز جو کاٹ سکے۔

ولا یجر منکم شنان قوم ان صد کم عن المسجد الحرام ان تعتدوا۔ کسی قوم یا قبیلے کی دشمنی اور عداوت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم کسی کو بیت اللہ شریف آنے سے روکو۔ کوئی دشمنی اللہ کی اطاعت یا اللہ کی عبادت سے روکنے کا سبب نہ بن جائے۔ اگر دشمن کو بھی عبادت سے روکنا حرام ہے تو مسجد میں نمازیوں پر بم چلانا کون سا جہاد ہے؟ اور اس جہاد کا جواز کہاں سے آیا ہے؟ اللہ کا حکم تو یہ ہے **و تعاونوا علی البرو التقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم و العدوان۔** نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو رکاوٹ نہ بنو۔ تعاون کی کم از کم صورت یہ ہے کہ نیک مشورہ ہی دے دیا جائے۔ دوسرے کو نیکی کرنے سے نہ روکنا بھی تعاون کی ایک صورت ہے سو ہر بھلائی کے کام میں ہر نیکی کے کام میں مدد کی جائے تعاون کیا جائے کسی برائی میں کسی گناہ میں اور نافرمانی وعدوان میں تعاون نہ کیا جائے عدوان کے معنی ہیں بغاوت نافرمانی اثم ہے یعنی گناہ بغاوت اور گناہ میں یہ فرق ہے کہ کوئی کہتا ہے کہ نماز پڑھنا فرض ہے ضروری ہے۔ اچھی بات ہے لیکن میرے پاس فرصت نہیں ہے تو یہ اثم ہے گناہ ہے جرم ہے لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ بہت نمازی دیکھے ہیں بھلا نماز پڑھنے سے کیا ہوتا ہے اس کی کیا ضرورت ہے یہ تو مولویوں نے ڈھونگ بنا رکھا ہے اس طرح انکار کرنے والا بغاوت کرے گا یہ بارگاہ الٰہی میں بغاوت ہوگی اسی طرح زندگی کے باقی شعبوں میں احکام الٰہی پر عمل نہ کرنا گناہ ہے اور ان سے بغاوت کرنا کفر ہے وہ معاملہ ذاتی ہو، دوستوں کا ہو، بھائیوں کا ہو، جائیداد و میراث کا ہو، گھریلو زندگی کا ہو لین دین اور تجارت کا ہو، کاروبار اور ملازمت کا ہو کسی بھی کام کو خلافِ شریعت کرنا گناہ ہے اور شرعی احکام سے بغاوت کرنا انہیں بے کار بتانا بغاوت ہے کفر ہے۔ لہٰذا دونوں صورتوں میں یعنی گناہ اور بغاوت میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ **واتقو اللہ۔** اللہ کریم سے معاملہ درست رکھو اور یاد رکھو **ان اللہ شدید العقاب۔** اللہ کی سزائیں بڑی سخت ہیں اس کی رحمت بہت وسیع ہے لیکن اس کی گرفت بھی بڑی سخت ہے اس کی سزائی بھی بڑی سخت ہیں اس لئے اللہ سے مت بگاڑو اس سے ڈرتے رہو۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

والفجر ولیال عشر

فضائل عشرہ ذی الحجہ واعمالھا

(ادارہ نقشبندیہ اویسیہ)

قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی طاق اور جفت کی

فرمان نبویؐ ہے اس آیت میں لیالِ عشر سے عشرۂ ذی الحجہ مراد ہے وتر طاق سے عرفہ کا دن اور شفع جفت سے قربانی کا دن مراد ہے۔

ماہ ذی الحجہ سال کا بارھواں مہینہ ہے۔ اس مہینے کے شروع کے دس دن کی بہت فضیلت ہے اور ان میں سے بھی عرفہ یعنی نویں تاریخ کی باقی دنوں سے زیادہ فضیلت ہے۔ فرمانِ نبویؐ ہے ''ایسے کوئی دِن نہیں ہیں جن میں عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو ان دنوں سے زیادہ پسند ہو'' ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ ''کوئی دن ایسے نہیں ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا عشرہ ذی الحجہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہو۔ اس کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی ہر شب لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہے خصوصاً عرفہ کے روزہ کا' اور ان دنوں میں عملِ صالح صرف اس لیے افضل ہے کہ یہ بیت اللہ اور مسجد حرام اور مکہ مکرمہ کی زیارت کے دن ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے سات دنوں میں سے جمعۃ المبارک کو اور پھر رمضان المبارک کے تین عشروں میں سے عشرۂ اخیرہ کو خاص فضیلت بخشی ہے اسی طرح ذی الحجہ کو پہلے عشرہ کو بھی فضل و رحمت کا عشرہ قرار دیا ہے اور اسی لیے حج انہی ایام میں رکھا گیا ہے۔

بہر حال یہ رحمت خداوندی کا خاص عشرہ ہے ان دنوں میں بندے کا ہر نیک عمل اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔ عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت کی وجہ سے علماء کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے یہ منت مانی کہ میں سال کے افضل ترین دنوں میں روزے رکھوں گا تو اس کو چاہیے کہ عشرہ ذی الحجہ میں روزے رکھ کر منت پوری کرے اور اگر کسی نے یہ منت مانی کہ سال میں کسی ایک افضل دن کا روزہ رکھوں گا تو وہ عرفہ کے دن کا روزہ رکھ کر منت پوری کرے لیکن یہاں یہ یاد رہے کہ ان دنوں کے روزوں کی فضیلت ماہ رمضان کے روزوں کے بعد ہے اور راتوں کی فضیلت ماہ رمضان کی شب قدر کے بعد ہے۔

ذی الحجہ کے نویں دن کو عرفہ کا دن کہتے ہیں ایک روایت میں ہے، فرمان نبویؐ ہے کہ عرفہ کا روزہ ہزار روزوں کے برابر ہے۔''

نیز ارشاد فرمایا:

''جس نے عرفہ کا روزہ رکھا اس کے پے در پے دو سال کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔''

ازواجِ مطہراتؓ سے منقول ہے کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ذی الحجہ کے نو دن، دسویں محرم اور ہر ماہ کے تین دن کے روزے اکثر و بیشتر رکھا کرتے تھے۔

قربانی: خدا تعالیٰ کے نزدیک نحر کے دن یعنی دسویں ذی الحجہ

کو قربانی کا خون بہانے سے زیادہ پسندیدہ عمل کوئی نہیں ہے۔ قیامت کے روز قربانی کا جانور اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں سمیت حاضر ہوگا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے نہیں پاتا کہ خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قربانی دل کی خوشی اور پوری آمادگی سے کرنی چاہیے۔ دس درہم کا قربانی کا جانور خرید کر ذبح کرنا ہزار درھم صدقہ کرنے سے بہتر ہے کیونکہ جو قرب الٰہی خون بہانے سے حاصل ہوتا ہے وہ خیرات کرنے سے نہیں ہوتا۔ ہر وقت ایک عبادت کے ساتھ خاص ہوتا ہے اور اس دن میں وہ عبادت مخصوص ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی۔

حجامت وغیرہ سے پرہیز:

جو شخص قربانی کی وسعت نہ رکھتا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ قربانی کے دن اپنے بال کٹوائے، ناخن کٹوائے، خط بنوائے اور زیر ناف کے بال لے، خدا کے نزدیک اس کا یہی عمل قربانی کا قائم مقام بن جائے گا۔ جو شخص بھی قربانی کا ارادہ کرے وہ ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد نہ جسم کے کسی حصے کے بال کاٹے اور مونڈے اور نہ ناخن کتروائے پھر جب قربانی کا جانور ذبح کر لے تو بال اور ناخن وغیرہ بنوائے یہ عمل مسنون ہے۔

ذکر الٰہی:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ نہ کوئی دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل ہے اس عشرہ سے اور نہ کسی میں عمل کرنا ان میں عمل کرنے سے افضل ہے، پس (خصوصیت سے) کثرت رکھو ان میں: **لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر** کیونکہ یہ تہلیل و تکبیر اور ذکر اللہ کے دن ہیں۔"

عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ اس عشرہ کے نیک عمل دوسرے دنوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں، پس ان دنوں میں **لا الٰہ الا اللہ ، اللہ اکبر الحمد للہ** کی کثرت رکھو۔

عرفہ کی فجر کی نماز کے بعد سے تیرہ تاریخ کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ بلند آواز سے ہر مرد و عورت کو یہ تکبیر پڑھنا واجب ہے۔ **اللہ اکبر ، اللہ اکبر ، لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد** اس کو تکبیر تشریق کہتے ہیں۔ گویا کل تئیس نمازوں میں یہ تکبیر پڑھی جائے گی۔

شب بیداری:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص بیدار رہا، عیدین کی دونوں راتوں میں، طلب ثواب کے لئے اس کا دل نہ مرے گا جس دن سب دل مریں گے۔

اخلاص نیت:

اسلام سے پہلے لوگ قربانی کر کے اس کا گوشت بیت اللہ کے سامنے لا کر رکھتے تھے اور اس کا خون بیت اللہ کی دیواروں پر ملتے تھے، قرآن نے بتایا خدا کو تمہارے اس گوشت اور خون کی ضرورت نہیں اس کے یہاں تو تمہارے وہ جذبات پہنچتے ہیں جو ذبح کرتے وقت تمہارے دلوں میں موجزن رہتے ہیں۔ قربانی اس حقیقت کا نام ہے کہ ہمارا سب کچھ خدا کے لئے اور اسی کی راہ میں قربان ہونے کے لئے ہے۔ قربانی کرنے والا صرف جانور کے گلے پر چھری نہیں پھیرتا بلکہ وہ ساری ناپسندیدہ خواہشات کے گلے پر چھری پھیر کر ان کو ذبح کر ڈالتا ہے۔ اس شعور کے بغیر جو قربانی کی جاتی ہے۔ وہ حضرت ابراہیمؑ

کی سنت نہیں بلکہ ایک قومی رسم ہے جس میں گوشت پوست کی فراوانی تو ہوتی ہے لیکن وہ تقویٰ ناپید ہوتا ہے جو قربانی کی روح ہے۔ غرض کہ اعمال و عبادات کی قبولیت تقویٰ اور خوف فکر پر موقوف ہے۔ ارشاد الٰہی ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف متقی لوگوں کا عمل ہی قبول کرتا ہے۔ ہابیل و قابیل کی باہمی گفتگو میں ایک ایسا جملہ آ گیا ہے جو ایک اہم اصول کی حیثیت رکھتا ہے کہ اعمال و عبادات کی قبولیت تقویٰ اور خوفِ خدا پر موقوف ہے۔ جس میں تقویٰ نہیں اس کا عمل قبول نہیں۔ اسی وجہ سے علمائے سلف نے فرمایا ہے کہ یہ آیت عبادت گزاروں اور عمل کرنے والوں کے لئے بڑا تازیانہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عامر بن عبداللہؓ اپنی وفات کے وقت رو رہے تھے لوگوں نے عرض کیا آپ عمر بھر اعمالِ صالحہ اور عبادات میں مشغول رہے پھر رونے کی کیا وجہ ہے؟

فرمایا تم یہ کہتے ہو اور میرے کانوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گھوم رہا ہے۔ **انما یتقبل اللہ من المتقین** ۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میری کوئی عبادت قبول ہو گی یا نہیں؟

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تقویٰ کے ساتھ کوئی چھوٹا سا عمل بھی چھوٹا نہیں ہے اور جو عمل مقبول ہو جائے وہ چھوٹا کیسے کہا جا سکتا ہے۔ غرض کہ خدا تعالیٰ کے دربار میں وہی عمل مقبول ہے جس کا محرک خدا کا تقویٰ ہو۔

قربانی واعمال ذی الحجہ میں کوتاہیاں:

اس میں ایک قربانی یہ ہے کہ بعض لوگ باوجود وسعت کے قربانی نہیں کرتے بلکہ بعض خاندانوں میں کئی پشت سے قربانی نہیں ہوئی، بعض سستی و بے پروائی کے سبب نہیں کرتے بعض بخل کے سبب کوتاہی کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کیلئے فرمانِ نبویؐ ہے کہ جس شخص کے پاس قربانی کی گنجائش ہو اور پھر بھی وہ قربانی نہ کرے تو ایسا شخص ہرگز ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔

بعض لوگ اِس لئے قربانی نہیں کرتے کہ وہ اس کے عبادت ہونے میں شبہ کرتے ہیں خصوصاً حج کی قربانی کو بوجہ کثرت ذبائح محض اضاعتِ مال ہی سمجھتے ہیں حالانکہ عبادت کی حقیقت اطاعت امرالٰہی ہے اس کا حکم ہونا ثابت ہے تو پھر عبادت میں کیا شک ہے، اسی طرح اضاعت مال اس وقت ہوتی ہے جب اس میں کوئی فائدہ نہ ہو اور جب اس میں فائدہ رضائے حق ہے جس کا مقابلہ کوئی فائدہ نہیں کر سکتا تو اضاعت کیسی ہوئی؟ **و رضوان من اللہ اکبر** ۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض وسعت والے قربانی تو کرتے ہیں مگر انکی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کوئی حصہ سستا مل جائے چاہے اس میں عیب ہی ہو اسکی ایک وجہ بخل ہے اور دوسرے یہ خیال کہ فرض تو ادا ہو جائے گا۔ یہ بھی غلط ہے قربانی ہمیشہ عمدہ جانور کی کرنی چاہیے حدیث میں ہے کہ (اپنے قربانی کے جانوروں کو فربہ کرو) ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض نادار لوگ جنکے ذمہ حقوق العباد ہیں جن کا ادا ایفاء فرض مقدم ہے قربانی کرتے ہیں اور پاس نہیں ہوتا تو اُدھار کرتے ہیں یہ بھی غلط یعنی بات یہ ہے کہ روپیہ قرض میں ادا کرنا اس سے بہتر ہے کہ ان سے قربانی کا حصہ خریدا جائے۔

حج وعمرہ اللہ کے لئے

امیر محمد اکرم اعوان

''واتموا الحج والعمرۃ للہ۔۔۔'' (البقرہ:۱۹۶)

اور پورا کرو حج وعمرہ کو اللہ کے لئے

حج کیا ہے؟

ان آیات کی قرآن حکیم میں ترتیب دیکھیں تو پہلے جہاد کی بات ہے۔ مال خرچ کرنے کی بات ہے کہ اللہ کا عطا کردہ مال اقتدار واختیار طاقت وعلم اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے پھر حکم دیا ہے۔'' **واحسنوا** '' احسان کرو اچھے کام کرو۔ اچھائی کیا ہے برائی کیا ہے اس میں ہر آدمی کا اپنا معیار ہے۔ ہر شخص اپنے حالات اور اپنے مزاج کے مطابق کسی چیز کو اچھا یا برا سمجھتا ہے۔ قرآنِ حکیم نے اسے انسانوں کی پسند وناپسند پر نہیں چھوڑا۔ اس کا ایک معیار مقرر فرما دیا ہے تو حسن سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہے۔ حدیث رسول ﷺ میں ہے اور اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ احسن نہیں ہوسکتا۔'' **واحسنو** '' اس کا سیدھا سیدھا ترجمہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کو شعار بنالو ہر حال میں آپ ﷺ کے دامانِ رحمت کو تھامے رہو اور آپ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کرو اور صرف تعمیل نہیں تعمیل ارشاد میں دل بھی شامل ہو اور دل کی گہرائی سے یہ خوشی حاصل ہو کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ کی غلامی کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور بندے کا دلی خلوص اس میں شامل ہو۔ اگر یہ مرتبہ نصیب ہو جائے تو سمجھو کہ تم اللہ کے محبوب بن گئے۔

''**ان اللہ یحب المحسنین** '' یقیناً اللہ محسنین کے ساتھ محبت کرتا ہے، جو شخص بھی اس مرتبے کو پالے کہ اس کا دل حضور ﷺ کی اطاعت پر خوش ہو۔ اپنا محنت سے کمایا ہوا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا پڑے تو وہ کرے اپنی قوت بیان اپنی قوتِ اقتدار واختیار غرض جو کچھ اس کے پاس ہے۔ وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں خرچ کردے اور اُسے اس سب کو اللہ کے حکم کے مطابق کرنے پر دلی خوشی نصیب ہو تو پھر جان لو کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں جو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع پورے خلوص دل سے کرتے ہیں انہیں اتباع نبوی ﷺ سے خوشی نصیب ہوتی ہے وہ میرے محبوب بن جاتے ہیں۔ میں ان سے محبت کرتا ہوں اور ایک دروازہ قربِ الٰہی کا اور کھول دیتا ہوں کہ اگر تمہیں زادِ راہ میسر ہے تو اللہ کی راہ میں حج اور عمرہ کرو۔ حج اور عمرہ اللہ کے لیے ادا کرو'' **واتموا الحج والعمرۃ للہ** '' اس ایک لفظ **للہ** میں حج کی ساری کیفیت سمودی گئی ہے کہ حج اور عمرہ ادا کرو اللہ کے لیے اگر اللہ ہی تمہارے روبرو نہیں اگر تم نے اللہ کو دل کی گہرائی میں محسوس ہی نہیں کیا تمہیں یہ خیال ہی نہ آیا تو حج سے کیا حاصل ہوا!

حقیقتِ حج:

بیت اللہ روئے زمین کا ایک ایسا ٹکڑا ہے جس پر ہر حال ہر وقت اللہ کی ذاتی تجلیات برستی رہتی ہیں۔ تجلیات باری ہمہ وقت اس پر متوجہ رہتی ہیں اور کعبۃ اللہ اس کیفیت سے کبھی خالی نہیں رہتا۔ حاجی وہاں اس حال میں حاضر ہوتا ہے کہ جس حال میں اللہ کے بندے میدان حشر میں اللہ کے حضور حاضر ہوں گے۔ حاجی وہ حال اسی فانی دنیا میں اسی عالم فناء میں بنا کر اللہ کے رُوبرو جا کر کہتا ہے: "**لبیك اللّٰھمّ لبیك**" اے اللہ میں حاضر ہوں "**لا شریك لك لبیك**" تیرا کوئی شریک نہیں میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں "**ان الحمد و النعمة لك والملك**" بے شک تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں۔ تمام نعمتیں تیری ہیں اور تمام ملک تیرا ہے۔ کسی کا اس میں کوئی دخل نہیں "**لا شریك لك**" تیرا کوئی شریک نہیں۔

یہ ایک کیفیت ہے جو انسان کی سوچ اور اس کے دل کی گہرائیوں سے تعلق رکھتی ہے۔ یہی وہ قلبی کیفیت ہے جو حج سے مقصود ہے جس کے بارے حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ اس کے سارے گناہ دُھل گئے۔ گناہ تو دھلنے ہی تھے جب وہ اللہ کریم کے روبرو کھڑا ہو گیا۔ تجلیاتِ ذاتی اس پر پڑیں تو گناہ دُھل ہی جانے تھے لیکن بندہ رُوبرو کھڑا تو ہو۔ ایک واقعہ اس ضمن میں یاد آتا ہے کہ ہندوستان سے ایک صاحب حج پر تشریف لے گئے اور اپنے ایک بزرگ عالم دین کو مکہ مکرمہ سے پیغام بھجوایا کہ میرے فلاں کام کو دیکھ لیجئے اور فلاں کام کا دھیان رکھیے گا تو ان بزرگ نے جواباً اُسے لکھا کہ تمہیں حج پر نہیں جانا چاہیے تھا وجود ہندوستان میں رہتا اور دل حرم میں رہتا تو حج سے مطلوب تو وہ باطنی کیفیت ہے کہ بندہ مرنے کے بعد بھی باقی رہے۔ قبر میں بھی تجلیاتِ باری اور اللہ کی حضوری نصیب رہے۔ حشر میں بھی اللہ کی حضوری اور اس کی تجلیات نصیب ہوں۔

حج فرض ہے:

حج با جماعِ اُمت ارکانِ اسلام میں سے ہے اور فرائض اسلام میں سے ایک اہم فرض ہے۔ جس کی فرضیت ہجرت کے تیسرے سال میں ہوئی اور اس کی فرضیت کا حکم سورہ آلِ عمران کی آیت ۹۷ میں "**وللّٰہِ علی الناس حج البیت**" کے الفاظ کے ساتھ آیا اور باوجود قدرت ہونے کے حج نہ کرنے پر سخت وعید مذکور ہے۔

عبادات انسان کی ضرورت ہیں جبھی تو اللہ کریم نے فرائض عطا فرمائے ہیں۔ فرض کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو ایسی چیز عطا کر دی جائے جس کا وہ انتہائی ضرورت مند ہو جس کے بغیر اس کی زندگی ممکن نہ ہو تو اس عطا کو فرض کہتے ہیں۔ سو فرائض کوئی بوجھ نہیں ہے جو لادا گیا ہے بلکہ نوعِ انسانی فرائض کے بغیر بنی آدم تو ہے، انسان نہیں۔ ایک حیوانِ ناطق تو ہے جو بول سکتا ہے، پڑھ لکھ سکتا ہے لیکن اس میں انسانیت تب آتی ہے جب اللہ کی طرف سے اُسے فرائض نصیب ہوتے ہیں جس سے اس کے اندر وہ کیفیت

بنتی ہے جو اُسے انسان بناتی ہے۔

احکامِ حج

حج کس پر فرض ہے

حج صاحبِ استطاعت پر فرض ہے۔ ''**وتزودوا**'' اور حج پر جانے کے لیے حج کا اہتمام کرو جس کے پاس اخراجات نہیں ہیں اس پر حج فرض ہی نہیں ہے۔ حج اس پر فرض ہے جس کے پاس آنے جانے اور قیام کا خرچ ہو اور جتنا عرصہ اس نے گھر سے باہر رہنا ہے۔ اتنے عرصے کے اخراجات بچوں کو بھی دے کر جائے تا کہ وہ کسی کے محتاج نہ ہوں اور اگر اتنی مالی حیثیت نہیں تو اس پر حج فرض نہیں ''**فان خیر الزاد التقوی**'' اور بہترین زادِراہ تقویٰ ہے۔ اخراجات کا اہتمام ہے تو ضرور جاؤ اور نہیں ہے تو جو فرائض عائد ہیں انہیں پورا کرو۔ اجر اللہ نے دینا ہے۔ اس لیے کہ سفرِ حج مقصد نہیں۔ مقصد اللہ کی اطاعت ہے، جس پر حج فرض نہیں وہ مانگ تانگ کر لوگوں سے مانگ کر حج پر کیوں جاتا ہے۔ یہی حال عامۃ الناس کا ہے۔ مانگتے پھرتے ہیں کہ مدد کیجیے میں نے حج پر جانا ہے۔ میری بڑی آرزو ہے لیکن پیسے نہیں ہیں۔ اگر پیسے نہیں ہیں تو حج اس بندے پر فرض ہی نہیں ہے۔ ان سے پوچھا جائے کہ حج تو آپ پر فرض نہیں ہے لیکن جو باتیں آپ پر فرض ہیں کیا وہ آپ نے پوری کر لی ہیں۔ صرف حج ہی تو اللہ کا حکم نہیں ہے۔ حج بھی تو اللہ کے احکام میں سے ایک حکم ہے۔ نرا مکہ مکرمہ جانا مقصد نہیں ہے۔ مقصد ہے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری جو چیز اللہ نے کسی پر فرض ہی نہیں کی اس کا اُسے بہت شوق ہے جو فرائض اس کے ذمے ہیں اس کی اُسے فکر ہی نہیں۔

اللہ کی اطاعت کا جذبہ زندہ رہے یہ فرض ہر ایک پر ہے۔ اس جذبے کے ساتھ جو فرائض جس پر ہیں وہ دیانتداری سے ادا کرے اُسے اللہ وہیں اجر عطا فرمائے گا۔ حضور ﷺ نے ایسے شخص کو جس کے پاس حج کے اخراجات کی سکت نہیں، خوشخبری سنائی ہے کہ وہ جمعہ کا اہتمام کرے۔ خلوص کے ساتھ جمعہ پڑھے۔ ہر جمعہ میں حج کا درجہ پائے گا۔ اشراق کے نوافل ادا کرے۔ عمرے کا ثواب پالے گا سو سفر کرنا غرض نہیں۔ غرض اللہ کی اطاعت ہے۔

حج اور عمرہ:

بیت اللہ کے ساتھ دو عبادتیں متعلق ہیں ایک حج جو صرف ماہ ذی الحجہ کے پانچ دنوں میں مقررہ مناسک کی ادائیگی ہے۔ حج دوسرے ایام میں نہیں ہو سکتا۔ دوسری عبادت عمرہ ہے جو حج کے پانچ دنوں کے علاوہ باقی سارا سال ہر وقت ہو سکتا ہے۔ عمرے میں صرف تین کام ہیں ایک یہ کہ میقات سے یا میقات سے پہلے عمرہ کا احرام باندھنا دوسرے مکہ مکرمہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کرنا۔ تیسرے صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا اس کے بعد سر کے بال کٹوا کر یا منڈوا کر احرام ختم کر دینا۔

حج کی اقسام

عمرے کو حج کے ساتھ جمع کرنے نہ کرنے کے اعتبار

سے حج کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں۔

ماہِ شوال سے حج کے مہینے شروع ہو جاتے ہیں یعنی شوال، ذی قعدہ اور ذی الحج کے دس دن۔شوال سے پہلے حج کا احرام باندھنا جائز نہیں۔حج کی پہلی قسم **قِران** ہے۔

حج کے مہینوں میں میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھ لے اس کو اصطلاحِ حدیث میں **قِران** کہا گیا ہے۔اس کا احرام حج کے اختتام پر کھلتا ہے۔آخر ایامِ حج تک حاجی کو احرام کی حالت میں رہنا ہوتا ہے۔**قِـران** کی افضلیت زیادہ ہے بشرطیکہ اس طویل احرام کی پابندیوں کو احتیاط کے ساتھ پورا کر سکے۔

دوسری قسم تمتع ہے۔اس کی صورت یہ ہے کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھے اس احرام میں حج کو شریک نہ کرے، پھر مکہ مکرمہ پہنچ کر افعالِ عمرہ سے فارغ ہونے اور بال کٹوانے کے بعد آٹھویں ذوالحج کو مسجد حرام سے حج کا احرام باندھے اس کو تمتع کہتے ہیں۔اس میں یہ سہولت ہے کہ احرام کی پابندیوں سے عمرہ کے بعد فارغ ہو جاتا ہے۔

تیسری قسم کا نام افراد ہے۔اس کی صورت یہ ہے کہ سفر کے وقت صرف حج کی نیت کرے۔اسی کا احرام باندھے عمرہ کو حج کے ساتھ جمع نہ کرے۔

احرام:

دو اَن سِلی چادروں میں عمرہ اور حج کی نیت سے ملبوس ہونا حالتِ احرام ہے۔صرف نیت کرنے سے احرام شروع نہیں ہوتا بلکہ الفاظ تلبیہ پڑھنے سے شروع ہوتا ہے۔الفاظ تلبیہ پڑھتے ہی احرام شروع ہو جاتا ہے۔مرد حضرات اس سے پہلے سَر کو چادر سے کھول دیں اور بلند آواز سے تلبیہ کہیں۔خواتین فرض پردے کے ساتھ آہستہ تلبیہ پڑھیں۔

احرام کی پابندیاں

احرام کی حالت میں مندرجہ ذیل اشیاء ناجائز ہیں۔

1۔ مردوں کو سلے ہوئے کپڑے پہننا۔

2۔ مرد کا سَر کو اور عورت کا چہرہ کو ڈھانپنا۔

3۔ کپڑوں یا بدن کو خوشبو لگانا، خوشبودار صابن استعمال کرنا، خوشبودار تمباکو یا کوئی خوشبودار چیز کھانا۔

4۔ ناخن کاٹنا۔

5۔ جسم کے کسی حصہ سے بال کاٹنا۔

6۔ شکار مارنا یا شکاری کی مدد کرنا۔

7۔ نباتات، پودوں کا کاٹنا۔

8۔ لڑائی جھگڑا کرنا۔

9۔ بی بی سے مباشرت اور اس کے تمام متعلقات یہاں تک کہ کھلی گفتگو بھی۔

10۔ سر یا بدن کی جوئیں مارنا۔

ممنوع امور:

حج اور عمرہ اللہ کے سامنے حاضر ہونے کے یقین کو دل

میں اُتارنے کا اکسیر نسخہ ہے۔ اس لیے اللہ کریم نے فرمایا کہ جو کوئی حج کا ارادہ کرلے تو پھر یہ بات یاد رکھے۔ اس سفر میں ''**لا رفث ولا فسوق ولا جدال**'' کسی فحش بات یا کسی طرح کی نافرمانی یا کسی قسم کے نزاع کی دورانِ حج کوئی گنجائش نہیں۔ ان باتوں سے اپنی پوری کوشش سے بچے کہ یہ سعادت روز روز حاصل نہیں ہوسکتی اور ذرا ذرا سی کوتاہیاں بھی اس کے حسنِ کمال کو ضرور متاثر کرتی ہیں اگرچہ بعض فسوق ایسے بھی ہیں جن سے حج ہی فاسد ہو جاتا ہے، جیسے حالتِ احرام میں وقوفِ عرفات سے پہلے بی بی سے صحبت کرلی تو حج فاسد ہوگیا۔ بطور جرمانہ قربانی بھی دے گا اور اگلے سال پھر حج بھی کرے گا۔

اسی طرح ہجوم خلائق میں اکثر نوبت جھگڑے کی آتی ہے۔ کبھی سفر کے ساتھیوں کے ساتھ، کبھی خرید و فروخت کے وقت پھر مسلسل سفر اور جگہ جگہ عارضی قیام وقت بے وقت کھانے پینے سے تھکاوٹ اور مزاج میں برہمی اور عبادات میں سستی آسکتی ہے۔ ان سب چیزوں کا سب سے زیادہ موقع یہیں بنتا ہے جس سے بچنا اور پوری کوشش سے بچنا ضروری ہے، جس کی ایک ہی صورت ہے کہ نگاہ صرف بیت پر نہ ہو بلکہ صاحب بیت کی عظمت سے دِل منور ہو اور یہ یقین ہو کہ اللہ اعمال کو دیکھنے والا ہے اور ان مواقع سے بچنے کی کوششیں بھی اللہ کی رضا جوئی کے لیے ہوں۔

یہ ایک نہایت ضروری لیکن بہت باریک بات ہے۔ اس کا احساس رکھنا نہایت اہم اور اشد ضروری ہے وہ یہ کہ نیکی اور بھلائی اللہ کریم کو خوش کرنے کے لیے کی جاتی ہے لیکن انسان اس بات پر بضد رہتا ہے کہ میں ایسا کروں گا تو لوگ کیا کہیں گے یا ایسا کروں گا تو لوگ مجھے اچھا سمجھیں گے۔ اس طرح وہ اپنی نیکیاں ضائع کرتا ہے کہ کام تو وہ درست کر رہا ہوتا ہے لیکن اُسے امید ہوتی ہے کہ دیکھنے والے اُسے بھلا اور نیک سمجھیں تو یہ نہایت غلط سوچ ہے۔ کوئی غلط کام لوگوں کی رضا حاصل کرنے کے لیے کرنا اور اللہ کی ناراضگی کی پرواہ نہ کرنا اس کا نتیجہ دوہرا عذاب ہے کہ ایک تو برائی اختیار کی دوسرا بندوں کی رضا کو اللہ کی رضا پر مقدم رکھا۔ انسانوں کی رضامندی مدنظر رکھی تو عذاب کئی گنا بڑھ گیا۔

ایک نیکی کی، نیک کام کیا، اگر نیکی اللہ کی رضا کے لیے کی جاتی تو اجر ملتا لیکن کرنے والے نے اس سے یہ اُمید رکھی کہ لوگ اچھا سمجھیں تو پھر وہ نیکی بھی جرم بن گئی۔

تجارت کی غرض سے حج پر جانے سے حج ادا نہیں ہوتا۔ کوئی اس نیت سے وہاں جائے کہ وہاں سونا سستا اور اچھا ملتا ہے۔ خرید کرلے آؤں گا۔ وطن لاکر بیچ دوں گا یا کسی اور چیز کے بارے یہ رائے رکھ کر اس پر عمل کرے گا، اس نیت سے جائے گا تو حج نہیں ہوگا۔ ہاں حج کی نیت سے گیا وہاں رہتے ہوئے کوئی مزدوری مل گئی یا کوئی چیز سستی مل گئی خرید لی تو وہ منع نہیں ہے ''**لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم**'' یعنی مقصد اصلی حج ہو ساتھ میں مزدوری یا تجارت کرلی تو کوئی حرج نہیں اور اگر مقصد ہی مزدوری کرنا، پیسہ کمانا یا تجارت کرنا ہو تو پھر حج نہیں ہوگا۔

احرام کہاں اور کس وقت باندھا جائے:

اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کے گرد چاروں طرف کچھ مقامات متعین فرمادیئے ہیں، جہاں پہنچ کر مکہ مکرمہ جانے والوں پر احرام باندھنا واجب ہے۔ خواہ حج کا احرام باندھے یا عمرہ کا ان مقامات کو میقات کہتے ہیں۔ یہ پابندی میقات سے باہر رہنے والوں پر عام ہے، جب بھی وہ مکہ مکرمہ کے لیے حدودِ میقات میں داخل ہوں۔ خواہ وہ کسی تجارتی غرض سے جارہے ہوں یا عزیزوں، دوستوں سے ملاقات کے لیے۔ ان کے ذمے بیت اللہ کا یہ حق ہے کہ میقات سے احرام باندھ کر داخل ہوں حج کا وقت ہے تو حج کا ورنہ عمرہ کا احرام باندھیں۔ بیت اللہ کا حق ادا کریں پھر اپنے کام میں مشغول ہوں۔

میقات یہ ہیں:

ذوالحلیفہ یہ مدینہ منورہ کی طرف سے آنے والوں کے لیے ہے۔

جحفه یہ ملک شام کی طرف سے آنے والوں کے لیے ہے۔

قرن المنازل یہ نجد سے آنے والوں کے لیے ہے۔

یلملم یہ اہلِ یمن وعدن کا میقات ہے۔ اہلِ پاکستان وہندوستان کے لیے بھی یہی میقات مشہور ہے۔

ذاتِ عرق یہ عراق کی طرف سے آنے والوں کے لیے ہے۔

یہاں ایک بات یاد رکھنی چاہیے کہ اہلِ پاکستان کو علمائے کرام تاکیداً ملکی ہوائی اڈوں پر ہی سے احرام پہننے کی ہدایت کرتے ہیں کہ جہاز حدودِ میقات سے گزر کر جدہ جا اُترتا ہے۔ احرام کی اپنی پابندیاں ہیں جن کو پورا کرنا بہت ضروری ہے۔

اس لیے اس مسئلہ کی وضاحت کی جاتی ہے تاکہ اس رعایت سے فائدہ اٹھایا جاسکے اور احرام کی پابندیوں کو اچھی طرح پورا کیا جاسکے۔ وہ فقہی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص گھوڑے پر سوار ہو اور وہ سفر کرتا ہوا میقات سے گزر جائے تو اُسے احرام باندھنے کی ضرورت نہیں، جب وہ شخص زمین پر قدم رکھ کر میقات سے گزرے گا خواہ کسی بھی مقصد سے گزرے اس پر احرام باندھنا لازمی ہوگا۔ اس لیے بذریعہ ہوائی جہاز سفر کرنے والوں کے لیے ہوائی اڈوں پر حالتِ احرام میں ہونا لازمی نہیں ہے۔ یہ ایک سہولت ہے جسے اکثر لوگ نہیں جانتے کہ جدہ تک آرام سے اپنے لباس ہی میں سفر کریں وہاں سے احرام باندھیں یا راستے میں میقات کے مقام پر مسجد بنی ہوئی ہے۔ وہاں سے احرام باندھ لیں۔ لوگ اس سہولت سے واقف نہیں ہیں وہ یہاں سے احرام تو باندھ لیتے ہیں لیکن احرام کی شرائط کا لحاظ نہیں کرتے ان چیزوں کا مطالعہ پہلے کرلینا چاہیے یا کسی سے پوچھ کر سیکھ لینی چاہئیں۔

حج کے پانچ دِن

پہلا دن 8 ذی الحجہ:

فجر کی نماز بیت اللہ میں ادا کر کے طلوعِ آفتاب کے بعد

منیٰ کو روانگی۔ قِران اور افراد حج کرنے والوں نے تو احرام پہلے سے باندھے ہوئے ہیں۔ تمتع کرنے والے نے عمرہ کر کے احرام کھول دیا تھا وہ آج احرام باندھیں۔ طواف کریں۔ دوگانہ ادا کریں، حج کی نیت کریں، تلبیہ پڑھیں اور منیٰ روانہ ہو جائیں۔ منیٰ میں آٹھویں تاریخ کی ظہر سے نویں تاریخ کی فجر تک پانچ نمازیں پڑھنا اور اس رات کو منیٰ میں قیام کرنا سنت ہے۔

دوسرا دِن 9 ذی الحجہ یوم عرفہ:

آج کا سب سے بڑا رکن ادا کرنا ہے بلکہ اصل حج آج ہی ہے۔ طلوعِ آفتاب کے بعد جب کچھ دُھوپ پھیل جائے منیٰ سے عرفات کو روانہ ہو جائیں اور وقوفِ عرفات کریں نویں ذی الحجہ کو ظہر کے بعد سے غروبِ آفتاب تک عرفات میں ٹھہرنا حج کا رُکن اعظم ہے یہاں ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں ظہر کے وقت میں ادا کی جائیں۔ وقوف کا سارا وقت دعا اور ذکر اللہ میں صرف کریں۔ وقوفِ عرفات کے بعد مزدلفہ روانہ ہوں وہاں مغرب اور عشاء دونوں نمازوں کو عشاء کے وقت پڑھیں اور شب مزدلفہ میں قیام کریں۔

حج کا تیسرا دن 10 ذی الحجہ:

آج عید کا دن ہے۔ اس میں حج کے بہت سے کام فرائض و واجبات کی ادائیگی کرنا ہے۔ اس لیے آج حجاج کے لیے عید کی نماز معاف ہے۔ طلوعِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک مزدلفہ ٹھہریں، پھر منیٰ کو روانہ ہوں۔ منیٰ پہنچ کر پہلا کام جمرہ عقبہ پر سات کنکریوں سے رمی کرنا ہے۔ کنکریاں مزدلفہ سے چن لینا مستحب ہے۔ جمرات کے پاس گری ہوئی کنکریاں اٹھانا جائز نہیں۔ اس کا مسنون وقت طلوعِ آفتاب سے زوالِ آفتاب تک ہے۔ زوال سے غروب تک بھی جائز ہے ضعیف، بیمار اور عورتوں کے لیے غروب کے بعد بھی جائز ہے اور مکروہ نہیں ہے۔ آج کے دن کا تیسرا واجب قربانی ہے، جب تک قربانی ہو نہ جائے سَر کے بال نہ منڈائے جن کے پاس قربانی کرنے کی گنجائش نہیں وہ قربانی کے بدلے دس روزے رکھے شرط یہ ہے کہ تین روزے عرفہ تک رکھیں۔ بقیہ سات روزے واپسی کے بعد بھی رکھے جا سکتے ہیں۔ قربانی بارھویں ذوالحجہ تک کی جا سکتی ہے۔ لیکن قِران اور تمتع کرنے والے جب تک قربانی نہ کرلیں ان کے لیے بال منڈوانا جائز نہیں اور نہ ہی احرام سے خارج ہو سکتے ہیں۔ دس ذوالحجہ کو طواف زیارت کرے۔ اس کا افضل وقت دسویں ذوالحجہ ہے اور بارھویں تاریخ کو آفتاب غروب ہونے سے پہلے پہلے کر لے تو بھی جائز ہے۔

طواف زیارت اور سعی کے بعد دسویں تاریخ کے سب کام پورے ہو گئے۔ اب منیٰ واپس جائے۔

حج کا چوتھا دِن 11 ذوالحجہ:

دو یا تین دن منیٰ میں رہنا جمرات کو رمی کرنا اور ان دِنوں کی راتیں منیٰ میں گزارنا ہے۔

حج کا پانچواں دن 12 ذوالحجہ:

اگر قربانی یا طواف زیارت ابھی تک نہیں کر سکا تو آج

بھی کر سکتا ہے۔ آج کا اصل کام تینوں جمرات کی رمی کرنا ہے۔ اب تیرھویں کی رمی سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ جا سکتا ہے بشرطیکہ غروبِ آفتاب سے پہلے منیٰ سے نکل جائے۔

طوافِ وداع:

میقات سے باہر رہنے والوں پر واجب ہے کہ جب مکہ شریف سے واپس جانے لگیں تو رُخصتی طواف کریں یہ حج کا آخری واجب ہے۔

قرآن حکیم میں احکامِ حج کی آیات کو ان الفاظ پر ختم کیا گیا ہے۔ **''واتقو اللہ''** یہ بنیادی بات ہے کہ اپنا معاملہ ربِ جلیل کے ساتھ درست رکھو۔ حج کے ارکان فرائض و واجبات کا پورا خیال رکھو۔ فرائض و واجبات اور سنن کو اپنے اپنے موقعوں پر پورے پورے ادا کرو اور ان کی ادائیگی کا پورا لحاظ رکھو۔

حج کا حاصل:

حج کا حاصل بھی یہی ہے جو تمام عبادات کا حاصل ہے کہ بندے کا تعلق ربِ کریم کے ساتھ مضبوط تر ہوتا چلا جائے۔ اُسے حضوریٔ حق نصیب ہو جائے۔ ہمہ وقت اپنے پروردگار کو حاضر سمجھے۔ اللہ تو ہر وقت ہر جگہ موجود ہے ہم نے اپنی کسی کوشش، کاوش یا عبادت و دعا سے اللہ کریم کو بلانا نہیں ہے وہ فرماتا ہے: **''وھو معکم اینما کنتم''** ''تم کہیں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے، تو پھر یہ حضوریٔ حق کے لیے محنت کیا معنی رکھتی ہے۔ حضوریٔ حق سے مراد یہ ہے کہ ہمیں بھی اس کا ادراک ہو۔ اللہ تو موجود ہے۔ ہم اس سے غائب ہوتے ہیں۔ ہمارا یہ احساس بھٹک جاتا ہے کہ اللہ موجود ہے یا یہ احساس مر جاتا ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ حج ادا کرنے سے صرف حاجی کہلانا مقصد نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ انسان کو قربِ الٰہی نصیب ہو تو وہ بالکل بدل جائے جب وہ سوچے تو اُسے احساس ہو کہ میرا اللہ میرے پاس ہے بولنے لگے تو یہ احساس ہو کہ میرا اللہ سُن رہا ہے کوئی کام کرنے لگے تو اُسے پتہ ہو کہ میرا اللہ میری ہر حرکت کو دیکھ رہا ہے۔ یہ احساس اگر کسی کو نصیب ہو جائے یہ شعور بیدار ہو جائے تو وہ کتنا بھلا انسان بن جائے گا۔

اگر کسی کو حرم کی حاضری نصیب ہوتی ہے۔ ایمان کے ساتھ بیت اللہ شریف تک رسائی ہوئی تو یہ اللہ کا ایک کرم ہے اور بندہ وہاں پہنچ کر سستی کرتا ہے۔ کوتاہی کرتا ہے اور جو احساس نصیب ہوتا تھا کہ اللہ بہت بڑا ہے اور بندہ اس کی عاجز مخلوق ہے۔ وہ اُسے حاصل نہیں ہوتا اور اس کے بجائے وہ اپنی بڑائی کے زُعم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اُسے اپنے پارسا ہونے کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ تو یہ کام بالکل ہی بدل گیا۔ ہمارے زمانے کے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ سفر ہر حال میں مبارک ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے اگر سفرِ حج میں بھی اور ارکانِ حج کی ادائیگی میں بھی لاپرواہی اور کوتاہی کو اختیار کیا تو یہی بات غضبِ الٰہی کو دعوت دینے کا سبب بن جاتی ہے۔ بیت اللہ کی ایک نماز جہاں ایک لاکھ کا ثواب پاتی ہے وہاں

کی نماز کو چھوڑ دینا گویا ایک لاکھ کو ضائع کرنا ہے۔

حج کی تمام منزلوں پر اللہ کریم بار بار اپنی طرف متوجہ ہونے اپنی رضا کو حاصل کرنے کی طرف رغبت دلاتے ہیں، کبھی فرمایا: اللہ کے لیے حج اور عمرہ کرو، کبھی فرمایا: عرفات سے لوٹو تو شعر الحرم کے پاس اللہ کو یاد کرو جیسا تمہیں بتلایا گیا ہے۔ قرآن کے اس حکم ''کما ھداکم'' جس طرح تمہیں ہدایت کی گئی ہے، سے یہ واضح ہوا کہ کوئی عبادت اور طریقہ عبادت اس وقت تک مقبول نہیں، جب تک اس کی سند سنتِ رسول ﷺ سے حاصل نہ ہو۔

عبادات میں بھی اور عام معاشرت میں بھی کوئی شخص کبھی اپنے لیے امتیازی صورتِ اختیار نہ کرے کہ اس سے نفرت اور باہمی دشمنی پیدا ہوگی اور مل کر رہنے سے باہمی اخوت اور محبت۔ لہٰذا سب کے ساتھ مل کر اللہ کی عبادت کرو اور اپنی کوئی امتیازی شان نہ چاہو بلکہ اللہ سے استغفار چاہتے رہو۔

''فاذ کرو اللہ''

جب ارکان حج پورے کر چکو تو اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ مصروفیت کے دن ہوں یا فراغت کے، سفر ہو یا قیامِ حج ہو یا عید کوئی دن کوئی لمحہ یا کوئی حال ذکر الٰہی سے خالی نہ ہو، یعنی تمام عبادات کا حاصل یہ ہے کہ بندے کا یہ شعور بیدار ہو جائے کہ اللہ اس کے ساتھ ہے تو ذکر کیا ہے، جس کا حکم اللہ دے رہے ہیں ''فاذ کرو اللہ'' اللہ کو یاد رکھنا ہی اللہ کا ذکر ہے جس کام کے کرنے میں اللہ کی رضا مقصود ہو وہ کام عملی ذکر ہے، جب ہم زبان سے نیک بات کہتے ہیں، تلاوتِ قرآن کرتے ہیں۔ درود شریف پڑھتے ہیں، بھلا مشورہ دیتے ہیں نیکی کا حکم کرتے ہیں۔ یہ سب لسانی ذکر ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ اللہ کی یاد دل میں رچ بس جائے اور یہ مقصدِ حیات ہے کہ دِل میں اللہ کی یاد اس طرح بس جائے کہ موت آجائے زندگی منقطع ہو جائے لیکن یادِ الٰہی منقطع نہ ہو۔ یہ انہیں نصیب ہوتا ہے جو ساری زندگی اللہ کی یاد دِل میں بسائے رکھتے ہیں وہ دل ایسا آباد ہو جاتا ہے کہ اُسے موت بھی ویران نہیں کر سکتی۔ موت بھی انہی دِلوں کو ویران کرتی ہے جو زندگی میں ویران ہوتے ہیں۔ ایسے دِل جو زندگی میں یادِ الٰہی سے محروم ہوتے ہیں۔ انہیں موت اس طرح ویران کرتی ہے کہ زندگی میں حیات جسمانی کا رشتہ تھا۔ موت وہ رشتہ کاٹ دیتی ہے لیکن جو دل زندگی میں یادِ الٰہی کو اپنے اندر سمو لیتے ہیں۔ انہیں زندگی میں حضور حق نصیب رہتا ہے۔ موت اُن سے یہ حضورِ حق نہیں چھین سکتی۔ موت انہیں اللہ کی یاد سے جدا نہیں کر سکتی۔ حج کا حاصل یہی احساسِ تشکر ہے کہ اللہ نے حضور نبی رحمت ﷺ کو مبعوث فرما کر یہ احسان فرمایا کہ بندوں کو ہدایت آشنا کر دیا لہٰذا اللہ کا ذِکر کرو۔

حج افضل ترین عبادت ہے اس میں ذکر و فکر، شکر و احسان، مجاہدہ و امتحان سب کچھ موجود ہے اور اگر حج میں بھی کسی کا مقصد اور نیت یہی رہی کہ لوگ میرا احترام کریں مجھے دنیا میں بہت سی دولت مل جائے یعنی مقصد حصول دنیا ہی ہو تو وہ ایسا محروم ہوتا ہے کہ آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ باقی نہیں رہتا۔

کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو حج سے حضورِ حق کے متلاشی ہوتے ہیں۔ ہوتے وہ بھی انسان ہی ہیں۔ انسان محتاج ہے، اس کی ضروریات ہیں، لیکن وہ یہ جانتے ہیں کہ ان کی ساری ضروریات اللہ کریم نے ہی پوری کرنی ہیں تو وہ اللہ سے ایسی دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ دنیا میں بھی ہم پر رحم فرما بھلائی عطا فرما۔ آخرت میں بھی ہم پر رحمت فرما۔ ہماری خطاؤں سے درگزر فرما اور آگ کے عذاب سے بچالے۔ ایسے لوگ دونوں جہانوں میں اپنی محنت کا بہت بڑا صلہ پاتے ہیں۔ یہ لوگ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ کا نظام بہت مضبوط ہے۔ انسان جو کرتا ہے۔ اس پر اللہ کی گہری نظر ہے اور اس کی گرفت بھی بڑی سخت ہے۔

بڑا عجیب نظام ہے۔ رب العالمین کا۔ انسان کی سمجھ اور اس کی دانش کا قصور ہے، ورنہ برائی کی تکلیف اور دُکھ دنیا میں بھی نقد ملتا ہے۔ آدمی جب غلط کاری کرتا ہے یا اللہ کے احکام سے رُو گردانی کرتا ہے اور حکمتِ الٰہی کو نہیں سمجھتا تو دنیا میں بھی اس کی سانسیں اس کے لیے عذاب بن جاتی ہیں۔ اس کے دِل کو سکون نہیں ملتا اس کے دل پر آخرت کا عکس پڑتا رہتا ہے۔ اگر آخرت میں اپنے لیے جہنم خرید رہا ہوتا ہے تو اس کی تپش یہاں دنیا میں بھی اس کے دل کو پہنچتی رہتی ہے۔ اسے سکون نصیب نہیں ہوتا اور نیکی کرتا ہے تو آخرت میں اس کے درجات بلند ہوتے ہیں اور دنیا میں بھی سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ دنیا میں بھی اس کی ٹھنڈک اور خوشبو اُسے نصیب رہتی ہے۔ اللہ نقد در نقد حساب کرتا ہے، ادائیگی فوراً ہوتی ہے جو کچھ بندہ کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کی ادائیگی اُسے ہوتی چلی جاتی ہے۔ نیکی کی ادائیگی سکون ہے، بندہ اطمینان سے جیتا ہے۔ برائی بے سکونی پہنچاتی ہے۔ لوگ دکھوں کو بھلانے کے لیے نشے کرتے ہیں جب ہوش میں آتے ہیں دکھ کئی گنا بڑھ چکے ہوتے ہیں۔ پہلے ایک دکھ تھا پھر مال ضائع کرنے کا دکھ، آبرو ضائع ہونے کا دکھ اور بڑھ جاتا ہے اور اگر اللہ کی اطاعت کی جائے، آخرت کا دھیان رکھا جائے اور یہ دعا کی جائے کہ اللہ دنیا بھی اچھی عطا کر اور آخرت بھی بہترین عطا فرما تو اللہ دونوں جہانوں کی بھلائیاں عطا فرما دیتا ہے۔

حج میں اس بات کا خیال رکھو کہ تمہیں اللہ سے تعلق مضبوط کرنا ہے۔ اللہ سے رشتہ استوار کرنا ہے۔ حضورِ حق کو دل میں جاگزیں کرنا ہے، پھر حج کے بعد کہیں بھی جاؤ تو تمہارا پروردگار تمہارے ساتھ ہو تنہا ہو یا مجلس میں ہو ہر وقت تمہارا اللہ تمہارے ساتھ ہو۔ یہی حج کا حاصل ہے۔ اسی پر خاتمہ بالایمان نصیب ہوگا۔ اسی سے قبر روشن ہوگی۔ اسی سے برزخ روشن ہوگا۔ اسی سے حشر کے دِن عزت نصیب ہوگی۔ آگ سے بچاؤ نصیب ہوگا اور

اگر محض رسمیں ادا کرتے رہے اور حضورِ حق نصیب نہ ہوا تو کتنا بدنصیب ہے وہ شخص جو حج کا سفر کر کے حرم سے ہو کر پھر بھی محروم رہے۔ لہٰذا اللہ کی نسبت کو زندہ رکھو اور یہ بات یاد رکھو کہ واپس مڑ کر اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ تم ہزار تبدیلیوں سے گزرو، ہزار انقلاب سے گزرو، بچپن، جوانی، بڑھاپا، دولت کما کر، عہدے پاکر یا مفلسی وغریبی میں گزرے، لیکن بعد موت ہواؤں میں بکھر جاؤ یا زمین میں منتشر ہو جاؤ واپس بارگاہِ الوہیت میں حاضر ہونا ہے۔

قرآنِ حکیم نے حج کا مقصد حضورِ حق کا شعور بتایا ہے۔ قرآن کا مقصد محض باتیں کرنا نہیں ہے۔ انسان کی اصلاح کرنا ہے۔ اسے اللہ کی ناراضگی سے بچانا ہے۔ اس لیے یہ ہر عبادت کو اور زندگی کے ہر پہلو کو اتنی خوبصورتی سے زیرِ بحث لاتا ہے کہ آدمی کو کوئی غلط فہمی نہیں رہتی۔ حج رسم نہیں ہے۔ اس کے احکام کو دِل کے کانوں اور دِل کی آنکھوں سے دیکھنا اور سننا چاہیے۔

حج کے جملہ احکام کیفیاتِ قلبی سے متعلق ہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حج سے فارغ ہو کر آنے والا گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر آتا ہے جیسے وہ آج پیدا ہوا تھا۔ اس حدیث کے آئینے میں حاجی کو دیکھنا ہے کہ اسے گناہوں سے پاکیزگی حاصل ہوئی ہے تو دل گناہوں سے متنفر ہو جائے گا۔ ہاتھ پاؤں اللہ کی نافرمانی سے رُکیں گے کہ دورانِ حج بھی تو ہر مقدس مقام پر اس نے گزشتہ سے معافی مانگی اور آئندہ نہ کرنے کا عہد کیا تھا۔

قبولیت حج کی دلیل:

یہی ہے کہ دِل دُنیا کی محبت سے خالی ہو جائے اور آخرت کی رغبت پیدا ہو جائے۔ اللہ ہمارے گناہ معاف فرمائے اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی اطاعت نصیب فرمائے توبہ قبول فرمائے نیک انجام میسر فرمائے۔

اللہ حج بھی نصیب کرے اور فرائض کی ادائیگی بھی نصیب ہو تو ضروری یہ ہے کہ ان سب عبادات کا حاصل حضورِ حق نصیب ہو۔ اللہ کریم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین

قارئین متوجہ ہوں

جو قارئین المرشد کی فیس بذریعہ منی آرڈر بھجواتے ہیں وہ منی آرڈر فارم پر اپنا ایڈریس صاف اور صحیح الفاظ میں لکھیں۔ خاص کر کے اُس حصہ پر جو (فارم کے نیچے والی رسید) سرکولیشن آفس میں رہنا ہوتا ہے۔ تاکہ رسالہ کی ترسیل میں رکاوٹ نہ ہو۔ (شکریہ)

(سرکولیشن آفس ماہنامہ ''**المرشد**'' لاہور)

قربانی

امیر محمد اکرم اعوان

کامفہوم کیا ہے؟ مقصد کیا ہے؟ کیوں کی جاتی ہے؟
احکام ومسائل کیا ہیں؟

ازافادات

شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

ہم قربانی کیوں کرتے ہیں؟ اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ ہم قربانی اس لیے کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور قربانی کرنے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر بھی قربانی کی اور حج کے علاوہ ہر عید قربان پر بھی قربانی کی۔

قربانی ایک عمل ہے جس سے قربانی کے جانور کو معین دنوں میں اللہ کی راہ میں ذبح کرنے سے وہ کیفیت ہوتی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیلؑ کو اپنی شان کے مطابق نصیب ہوئی اور ہر مسلمان کو اپنی حیثیت اپنی استعداد، اپنے خلوص کے مطابق نصیب ہوتی ہے۔

قربانی کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی چیز دنیا کا کوئی کام کوئی محبت، کوئی پیار، کوئی عزیز ترین رشتہ، کوئی محبوب ترین شئے اللہ کی اطاعت کے مقابلے میں رکاوٹ نہ بنے!

اسلام میں سارے سال میں دو تہوار ہیں ایک رمضان المبارک کے تشکر کے طور پر" **والتکملوا العدة والتکبرو اللّٰہ علی ماھداکم** " کہ جب رمضان مکمل کرلو تو اللہ کی بڑائی بیان کرو جس نے تمہیں ہدایت نصیب فرمائی اس دن کو یومِ عید کہتے ہیں اور دوسرا تہوار عید قربان یا عید الاضحیٰ ہے جو سیّدنا اسمٰعیلؑ کی عظیم قربانی اور سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے عظیم ایثار کی نہ صرف یادگار ہے بلکہ اس میں یہ حکمت الٰہی پوشیدہ ہے کہ جو اجر، جو برکات وانوارات، اور جس طرح کی رحمتیں حضرت ابراہیمؑ پر حضرت اسمٰعیلؑ کو قربان کرنے میں نازل ہوئیں اُن میں اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کو شریک کرلیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

"**قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ما عمل ابن ادم من عمل یوم النحر احب الی اللّٰہ من اِھراق الدم وانه لیاتی یوم القیام بقرو نها و اشعار ها و اظلا فها وان الدم لیقع من اللّٰہ بمکان قبل ان یقع بالارض فطیبو بها نفساً**" (ترمذی، ابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ یعنی عید الاضحیٰ کے دن فرزند آدم کا کوئی عمل اللہ کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور مقبولیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ پس اے اللہ کے بندو! دِل کی پوری خوشی سے قربانیاں کیا کرو۔

"**عن زید بن ارقمؓ قال قال اصحٰب رسول اللّٰہ علیه وسلم ماھذہٖ الاضاحی یا رسول اللّٰہ؟ قال سنة ابیکم ابراھیم علیه السلام قالوا**

فمالنا فيها يا رسول الله ؟قال بكل شعرة حسنة قالوا فالصوف يا رسول الله قال بكل شعرة من الصوف حسنة ۔ (رواہ احمد وابن ماجہ)

حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قربانیوں کی کیا حقیقت اور کیا تاریخ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تمہارے مورث حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے۔ (ان کی سنت کے اس عمل کی پیروی کا حکم مجھے اور میری اُمت کو دیا گیا ہے) ان صحابہؓ نے عرض کیا پھر ہمارے لیے ان قربانیوں میں کیا اجر ملے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قربانی کے جانور کے ہر ہر بال کے عوض ایک نیکی ہے۔ انہوں نے عرض کیا تو کیا اون کا بھی یہی حساب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں !اون والے جانور کی قربانی کا اجر بھی اسی شرح اور اسی حساب سے ملے گا اس کے بھی ہر بال کے عوض ایک نیکی۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

”**عن ابن عمرؓ قال اقام رسول الله عليه وسلم بالمدينة عشر سنين يضحى**“ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں دس سال قیام فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر (ہر سال) قربانی کرتے رہے۔

حج پر قربانی اور عید قربان پر قربانی:

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ قربانی جو حج کے موقعہ پر حجاج کرتے ہیں وہ قربانی حاجیوں کے لیے ضروری ہے اور جو قربانی عید کے موقعہ پر پوری دنیا کے مسلمان اپنے اپنے علاقوں میں کرتے ہیں وہ مسلمانوں پر عید قربان کے موقعہ پر انہی اوقات میں کرنا واجب ہے۔ ہم بالکل قربانی نہ کرتے اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی نہ کی ہوتی۔ ہمارے لیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع لازم ہے اور سنت ابراہیمی علیہ السلام پر عمل ہم اس لیے کرتے ہیں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور کرنے کا حکم دیا۔ ہم تبع ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اللہ کریم نے اس اُمت پر جو احسانات فرمائے ہیں۔ ان میں سے ایک احسانِ عظیم یہ بھی ہے کہ اسے قربانی میں شرکت کا موقع نصیب فرمایا اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اُمتِ مرحومہ کو اس عظیم درجے اور ثواب میں شریک کرلیا۔

ذبح عظیم:

قربانی کی اصل یہ ہے کہ سیّدنا ابراہیمؑ نے بے شمار امتحانات میں قربانیاں دیں۔ قرآن حکیم کے مطابق ”**واذ ابتلیٰ ابراهيم ربه بكلمٰت فاتمهن**“

جب ابراہیم علیہ السلام کو اُن کے پروردگار نے آزمائش میں ڈالا تو وہ اس میں پورے اُترے بچپن میں والدین سے جدا ہوئے، ظالم حکومت سے ٹکر لی، ہجرت فرمائی، کئی حکمرانوں سے ٹکراؤ ہوا، آخری عمر میں چاند سا بیٹا عطا ہوا تو حکم آ گیا کہ اسے اور اس کی والدہ کو ایک ویرانے میں چھوڑ آؤ، سینکڑوں میل پیدل سفر کر کے اس جگہ پہنچے جہاں مکہ مکرمہ ہے۔ بیت اللہ شریف ہے۔ وہاں انہیں اللہ کی حفاظت میں دے کر چلے گئے وہاں نہ کوئی آبادی تھی نہ ہی آبادی کے آثار قریب تھے، پانی تک نہیں تھا۔ قرآن حکیم اس

واقعہ کو بیان کرتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا'' **ربنا انی اسکنت من ذریتی** '' ایسی جگہ اپنے خاندان کو چھوڑ کر جا رہا ہوں کوئی گھاس کا تنکا بھی نہیں اُگتا۔ زندگی کے کوئی آثار ہی نہیں لیکن تو قادر ہے چاہے تو اسے آباد کر دے تیری قدرت کاملہ سے تو کچھ بعید نہیں اور یہ انہی کی دعا کا اثر ہے کہ تب سے لے کر قیامت تک مکہ مکرمہ میں کسی موسم کی قید نہیں ہے۔ ہر موسم کا پھل اور سبزی سارا سال ملتی رہتی ہے۔ سیدنا خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آج تک مکہ مکرمہ میں دنیا کی ہر نعمت ہر وقت ملتی ہے۔

آپ نے یہ واقعہ بار بار سنا ہو گا جس میں حضرت حاجرہ کی پریشانی حضرت اسمٰعیلؑ کے لیے بے تابی، پہاڑوں پر دوڑنا اور ننھے اسمٰعیلؑ کے قدموں کے نیچے آبِ زم زم کا نمودار ہونا ہے۔ یہ سب قرآن کریم میں موجود ہے۔ بارہا بیان ہوتا رہتا ہے۔ تقریباً ہر مسلمان اس سے واقف ہے۔

لفظ زم زم حضرت حاجرہ کا دیا ہوا نام ہے۔ اس زمانے کی زبان میں اس کا مطلب تھا ''تھم جا ٹھہر جا۔'' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اگر مائی صاحبہ اسے ٹھہرنے کا حکم نہ دیتیں تو یہ اتنا بڑا دریا بنتا کہ دنیا میں بہتا ہی چلا جاتا اور قیامت تک بہتا رہتا۔

پھر جب اسمٰعیلؑ کچھ چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو اللہ کی طرف سے اپنے دوست ابراہیم خلیل اللہ کو حکم ہوا کہ اپنے اس بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیں اور کتنی عجیب بات ہے کہ اللہ کے خلیل نے اپنے اس نونہال کو اللہ کے لیے اللہ کے حکم کے مطابق ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ علیہ السلام نے اپنے عظیم فرزند کو جس کی پیشانی میں نورِ نبوت چمک رہا تھا۔ اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔ آپ علیہ السلام نے اسمٰعیلؑ کو ذبح کر دیا۔ اپنی آنکھوں پر بوقت ذبح پٹی باندھ رکھی تھی۔ آنکھیں کھول کر دیکھا تو دنبہ ذبح ہوا پڑا تھا اور اسمٰعیلؑ پاس کھڑے مسکرا رہے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ حیران ہوئے تو فوراً وحی الٰہی ہوئی کہ آپؑ نے اپنی بات پوری کر دی۔ یہ میری حکمت ہے کہ میں نے اسے باقی رکھنا چاہا اور اس کی جگہ دنبہ بھیج دیا۔ قرآن حکیم میں آتا ہے:'' **وفدینہ بذبح عظیم O ترکنا علیہ فی الاخرین** '' (الصفت آیات 107 تا 108)

بلاشبہ یہ بہت ہی بڑا امتحان تھا جس میں حضرت ابراہیمؑ پورے اترے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں۔ اب یہ ہماری مرضی کہ ہم نے اسے باقی رکھا اور ایک عظمت والا جانور خاص اپنی طرف سے جنت سے بھجوا کر ذبح کرا دیا۔ چنانچہ ہم نے اُن کی یہ یاد بعد والوں میں بھی باقی رکھی کہ ظہورِ اسلام تک اہل مکہ قربانی کیا کرتے تھے۔ اسلام نے بھی اس کا حکم دیا اور یوں اس قربانی کی یاد ہر سال تازہ ہوتی رہتی ہے۔

اس معروف واقعے کا ایک پہلو ہے جس پر بہت کم نگاہ جاتی ہے اور وہ ہے اس کی حقیقت۔ قربانی کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا کوئی کام، کوئی چیز کوئی محبت، کوئی پیار، کوئی عزیز ترین رشتہ دار، کوئی محبوب ترین چیز اللہ کی اطاعت کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے۔ ظاہر ہے کہ ہر عبادت کے اپنے انوارات اور اپنے ثمرات ہوتے ہیں اور ہر بندے کے الگ ہوتے ہیں کیونکہ ہر بندے کا اللہ سے رشتہ الگ ہوتا ہے ایک ہی جگہ دس بندے نماز پڑھتے ہیں لیکن ہر ایک کی کیفیت الگ ہوتی ہے۔ اس کے ایمان، اس کے خلوص اور

اس کے دل کی گہرائی کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر اطاعت پر بندے کی حیثیت کے مطابق انوارات و برکات نازل ہوتی ہیں۔ اسی واقعے میں دیکھئے ایک ابراہیمؑ خلیل اللہ ایک اسمٰعیلؑ ذبیح اللہ۔ دونوں اللہ کے اولوالعزم رسول ہیں۔ ایک ذبح کرنے والا ایک ذبح ہونے والا اور یہ سب محض اللہ کے نام پر اللہ کے حکم پر ساری محبتیں، سارے تعلقات، سارے رشتے اپنا اور اولاد کا سارا مستقبل چھری کی ایک جنبش کے نیچے ہے۔ اس پر کس قسم کی رحمتیں نازل ہوئی ہوں گی، کس طرح کی تجلیات برسی ہوں گی۔ کون سی کیفیات عطا ہوئی ہوں گی۔ اب یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے اُمت محمدیہ علی صاحب الصلوٰۃ والسلام کو قربانی کرنے کا حکم دے دیا۔ آج ہمیں بطفیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سعادت بخشی ہے کہ ہم بھی اللہ کی راہ میں جانور ذبح کریں اور ان رحمتوں کا، ان عنایات کا اور اللہ کی اس بخشش کا مزا لیں اور وہ کیفیات ہم پر بھی وارد ہوں۔ اس بخشش سے ہم بھی حصہ لیں تو یہ قربانی کی حقیقت ہے۔ یہاں سے قربانی کی ابتداء ہوئی جو حج کا لازمی حصہ بن گئی کہ جو حج کرے وہ قربانی ضرور کرے اور عامۃ الناس کے لیے روئے زمین پر اللہ نے یہ رحمت کا دروازہ کھول دیا کہ جو مسلمان جہاں ہے وہ اس دن قربانی کرے تو اللہ کریم اسے وہی برکات عطا فرما دیتا ہے اور اُسے سمجھ آجاتی ہے کہ، دین کا مقصد کیا ہے؟ وہی جو اسوۂ ابراہیمی ہے۔ وہی جو اسمٰعیلؑ کا طرزِ عمل ہے۔ وہی جس کو اپنانے کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا۔ وہی جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک گزری یعنی یہ کہ ہماری سوچیں ہماری فکر، ہماری سمجھ، ہماری فہم اطاعت الٰہی کے اندر رہے۔ دین مکمل اطاعت کا نام ہے۔ اس میں ہمیں مشورے دینے کی اجازت نہیں۔ اپنی سوچوں پر عمل کرنے کی اجازت نہیں۔ وہ علیم و خبیر ہے اور وہ بہر حال ہر ایک سے بہتر جانتا ہے۔ لہٰذا دین بلا حیل و حجت بلا چون و چراں تعمیل ارشاد کا نام ہے۔

ہر عمل پر من جانب اللہ ایک اثر مرتب ہوتا ہے۔ یہ اللہ کا بنایا ایک قاعدہ اور ضابطہ ہے۔ مثلاً جو الفاظ ابو جہل نے حضور علیہ الصلوٰۃ کے بارے کہے ان الفاظ پر غضب الٰہی کا ایک اپنا اثر ہے جب بھی کوئی مخالف اسلام شخص ان الفاظ کو دہرائے گا اس پر اسی طرح کا غضب الٰہی اسی طرح بھڑکے گا جس طرح ابو جہل کے لیے بھڑکا تھا۔ یہ چیز اکثر دیکھی جاتی ہے کہ معترضین جب اسلام پر اعتراض کرتے ہیں تو ان کے الفاظ کم و بیش وہی ہوتے ہیں جو اس وقت کے مشرکین اور یہود کے تھے۔ انہوں نے یہ الفاظ و تراکیب کہاں سے لیے؟ یہ شیطان کا کمال ہوتا ہے کہ وہ وہی الفاظ ان کے ذہن میں ڈال دیتا ہے تا کہ ان پر غضب الٰہی آئے۔

اسی طرح جن الفاظ میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تعریف کی ہے یا جس انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی ہے یا کوئی عمل کیا ہے تو جو شخص بھی اللہ کی رضا کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز اپناتا ہے اسی طرح عمل کی کوشش کرتا ہے تو اس پر اسی طرح کی رحمت الٰہی متوجہ ہو گی جس طرح کی رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر متوجہ ہوا کرتی تھی۔ اس طرح اللہ اپنے بندوں پر احسان فرماتا ہے اور انہیں ایسے کام کرنے کی توفیق دیتا ہے یا اس طرح کے الفاظ ادا کرنے کی توفیق دیتا ہے جس طرح اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ

وسلم نے ادا فرمائے جس کے نتیجے میں ان پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

ربّ کریم کا یہی وہ احسان ہے کہ اس نے ابراہیمؑ کے اس عمل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو شریک فرمایا اور قربانی کرنے کا حکم فرمایا۔ اسی تاریخ پر کرنے کا حکم فرمایا اور اس دن یوم عید قرار دیا اور پھر اس قربانی پر وہ کیفیت نازل ہوئی اس کیفیت کے اُجر کو ہر انسان اپنی عملی زندگی کی پرکھ کر خود جان سکتا ہے جیسے قرآن حکیم میں آتا ہے:

"اِن الصلوٰۃ تنھا عن الفحشاء والمنکر"

(یقیناً نماز برائیوں اور بے حیائیوں سے بچالیتی ہے)

(سورۃ عنکبوت، آیت 45)

اب ہر شخص اپنی نماز کو جانچ سکتا ہے کہ نماز ادا کرنے سے اس کے دل میں بے حیائی سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور وہ برائی سے رُک جاتا ہے تو اس کا مطلب ہے اسے نماز کا اُجر مل رہا ہے یعنی اس کی نماز ادا ہو گئی لیکن اگر خدانخواستہ وہ نماز بھی پڑھ رہا ہے اور برائی بھی جاری رکھی ہوئی ہے تو اس کا مطلب ہے اس نے نماز ابھی نہیں پڑھی وہ محض رسم نبھا رہا ہے اگر نماز ہوتی تو یقیناً اس کے مزاج میں تبدیلی پیدا کرتی۔ اسی طرح قربانی کا بھی ایک اثر ہے کہ انسان کے مزاج میں مزاج ابراہیمیؑ پیدا ہو جائے۔ اللہ کے مقابلے میں اسے دنیا یا دنیا کی دولت یا دنیا کا کوئی نعمت اطاعت الٰہی کے مقابلے پر عزیز نہ رہے۔

قربانی محض گوشت کھانا نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

"لن ینال اللہ لحومھا ولا دماوھا ولکن ینالہ التقویٰ"

اللہ کو خون اور گوشت کی ضرورت نہیں۔ اللہ کے پاس نہ خون پہنچتا ہے نہ گوشت۔ اسے تمہارا وہ خلوص اور صدقِ دل پہنچتا ہے جس سے تم قربانی کرتے ہو۔ اس پر رحمتیں نازل ہوتی ہیں بشرطیکہ قربانی کی جائے۔ خانہ پری نہ کی جائے۔

ہم بھی عجیب لوگ ہیں یا تو کوئی عیب دار جانور سستا خرید کر جان چھڑاتے ہیں یا پھر نمائش کے لیے پچاس ہزار میں ایک دنبہ خرید کر چرچا کرتے پھرتے ہیں۔ اللہ کو نہ ہماری بڑائی چاہیے نہ خانہ پری۔ بڑا صرف اللہ ہے اور ساری تعریفیں بھی اسی کے لیے ہیں۔ اللہ رب العزت تو اتنا کریم ہے کہ اس نے ہماری چھوٹی سی قربانی پر اتنا بڑا اجر یعنی دردِ دل عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے اب یہ تو اپنے شعور کی بات ہے کہ ہم وہ حاصل کرتے ہیں؟ ہمیں اس کا پتہ بھی ہے یا نہیں؟ یہ بات کوئی نہیں بتاتا۔ مولوی بتاتا ہے کہ قربانی کرو ثواب ہوگا۔ کیا ثواب ہوگا؟ یہ کوئی نہیں بتاتا۔ حق یہ ہے کہ ثواب کا مطلب ہے کہ اس کے بدلے میں جو کیفیت نصیب ہوگی، جو عشق الٰہی نصیب ہوگا، جو قربِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوگا۔ وہ ثواب سے یعنی قربانی کا بدلہ ہے لیکن یہ انہی لوگوں کے لیے ہے جو اپنی حیثیت کے مطابق قربانی کے وقت اچھے سے اچھا جانور محض اللہ کی رضا کے لیے قربان کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عید پر سو اونٹ قربان کیے۔ تریسٹھ اپنے دستِ کرم سے نحر فرمائے اور باقی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اپنی طرف سے کرنے کا حکم فرمایا۔ بعد میں دنیا سے پردہ فرما گئے گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہر سال کا ایک اونٹ ایک ہی وقت

میں کر دیئے۔ یوں قربانی کا یہ پہلو ہے جس پر بہت کم بات ہوئی ہے حالانکہ یہ تو برکاتِ الٰہی اور عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو لوٹنے والی بات ہے جتنا کوئی اپنی جھولی بھر سکتا ہے بھر لے یہ موقع سال میں ایک بار آتا ہے یہ ہمارے گناہوں کی بخشش کا آسان راستہ ہے۔ اللہ اتنا کریم ہے کہ اس نے اتنی بڑی قربانی کے اجر میں ہماری سعادت رکھی اور ہمیں اس سعادت سے بہرہ ور کیا پھر اس دن کو یوم عید قرار دیا۔ فرمایا پہلے دو نماز ادا کرو۔ میری کبریائی کی بات کرو۔ تکبیریں پڑھو پھر قربانی کرو اور یہ سوچ کر کرو کہ اے اللہ تو کتنا کریم ہے مجھے اس اجر میں شامل کر رہا ہے جو تیرے خلیل کو نصیب ہوا۔ اللہ میں تو ایک جانور ذبح کر رہا ہوں اور تو اتنا بڑا اجر عطا کر رہا ہے۔ یوں قربانی کرو پہلے دن کر سکتے ہو، دوسرے دن کر سکتے ہو، تیسرے دن بھی دوپہر سے پہلے کر لو اور اللہ کی عظمت اور بڑائی کے کلمات عصر تک پڑھتے رہو۔ پہلے دن سے تین دن تک مسلسل عید رہتی ہے۔ ہر نماز کے بعد اعلان کرتے رہو کہ سب تعریفیں تیرے لیے ہیں۔ تیرے سوا کوئی الہٰ نہیں۔

''اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہٰ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد''

''اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہٰ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد''

''اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہٰ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد''

قربانی محض رسم نہیں ہے نہ یہ خان پُری کے لیے ہے بلکہ حق یہ ہے کہ قربانی اپنی حیثیت کے مطابق دے ہر فرد خانہ کی طرف سے کرے اور ثواب کی اُمید اللہ سے رکھے۔ لفظ ثواب کے معنی اور مفہوم کی وضاحت یہ ہے کہ یہ قربانی کا اجر یا بدلہ ہے۔ اس میں وہ برکات اور رحمتیں ہیں اور قربِ الٰہی کے وہ مدارج ہیں جو اللہ کے ان دونوں رسولوں پر نازل ہوئے۔ انہیں رحمتوں میں سے ہر قربانی کرنے والا جس خلوص سے قربانی کرتا ہے۔ اُسی حساب سے رحمتِ الٰہی سے ثواب پاتا ہے یہ جذبہ اللہ کے نزدیک اپنی حیثیت رکھتا ہے۔ اپنی قیمت پاتا ہے۔ محض خانہ پری کرنا یا محض اپنی شہرت کے لیے ہزاروں روپے کا ایک جانور خریدنا تاکہ لوگ کہیں کہ اس نے بڑا خوبصورت جانور خریدا۔ اللہ کو اس روپے کی پرواہ نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق سو قربانیاں بھی کر سکتا ہے تو کرے لیکن لوگوں کے دکھاوے کے لیے نہیں بلکہ اپنا مال اللہ کی راہ میں دینے کے لیے خرچ کرے۔ ایک قربانی کر سکتا ہے ایک ہی کرے گھر کے سارے افراد کے لیے کر سکتا ہے ضرور کرے لیکن اس دردِ دل کے ساتھ کرے اور اس کیفیت کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے کرے۔ سو نیکی کا ثواب کیا ہے؟ خلوصِ دل سے کیے گئے اعمال پر اللہ کریم کی طرف سے بدلہ اور اجرِ عظیم، قربانی کا ثواب ہے اُن برکات کا حصول جو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل قربانی کے عمل پر ملتی ہیں۔

قربانی پر اعتراض اور اس کا جواب

ہمارے معاشرے کے ایک بزعم خود روشن خیال طبقے کو قربانی پر بہت بڑا اعتراض یہ ہے کہ کروڑوں روپے کے جانور ایک وقت میں ذبح کر دیئے جاتے ہیں، اگر جانور ذبح کرنے کے

بجائے یہی رقم کسی تعمیری کام پر خرچ کی جائے تو بہت سے قومی مسائل کا حل نکل سکتا ہے۔ بہت سی یونیورسٹیاں بن سکتی ہیں، ہسپتال بن سکتے ہیں، نہریں کھودی جاسکتی ہیں یا سڑکیں بن سکتی ہیں تو ہم قربانی کیوں کرتے ہیں؟

بظاہر یہ بڑا دل کش اور پر زور سوال نظر آتا ہے۔ اس سوال کا سیدھا اور آسان جواب یہ ہے کہ ہم قربانی اس لیے کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی ہے اور قربانی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا یہ جواب ہرگز نہیں کہ یہ سنتِ ابراہیمی ہے یا یہ کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی دی گئی۔ تمام مسلمان، پوری امتِ محمدیہ اس لیے قربانی کرتے ہیں کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور ہمیں بھی قربانی کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا اور حج پر قربانی کی اور حج کے علاوہ ہر عید قربان پر قربانی کی۔

اس سوال کو دوسرے پہلو سے دیکھیں اور اس طرح جواب یہ ہے کہ قربانی پر خرچ ہونے والی رقم شاید لاکھوں سے تجاوز کر جائے تو اس کو اس حکم پر جس کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر ہے کیوں لاگو کیا جاتا ہے؟ اور آئے دن وزیروں کے جلوسوں پر جو کروڑوں خرچ ہو جاتے ہیں اس پر کیوں لاگو نہیں کیا جاتا؟

ہم ہر سال غیر مذہبی تہوار مناتے ہیں جو واقعی تہوار تو ہندوؤں کے ہیں لیکن ان پر کروڑوں روپے مسلمانوں کے خرچ ہوتے ہیں۔ اس پر کیوں نہیں سوچا جاتا؟ کیوں دانشور اس رقم کی بات کیوں نہیں کرتا؟

ایک وزیر جب کسی ضلع میں جاتا ہے تو اس دن پورے ضلع کی کسی عدالت، کسی تھانے میں کوئی کام نہیں ہوتا۔ اس دن کی ان محکموں کے ملازمین کی تنخواہ کا حساب لگا کر دیکھیں۔ اس کے علاوہ دوسرے اضلاع سے پولیس درآمد کی جاتی ہے۔ اُن کی آمدورفت کے لیے گاڑیاں آتیں اور واپس جاتی ہیں۔ ہزاروں گیلن تیل خرچ ہوتا ہے۔ کیا اس سب کا حساب لگایا جا سکتا ہے؟ کیا یہ سب فضولیات نہیں؟ کیا ان رقوم کو قومی تعمیری کاموں پر خرچ نہیں کیا جاسکتا؟ کیا اس پیسے سے یونیورسٹیاں، ہسپتال، نہریں، سڑکیں نہیں بنائی جاسکتیں۔ ان غیر مذہبی، لغو، بیکار کاموں سے رقم کیوں نہیں بچائی جاسکتی جب کہ ان کاموں کے پیچھے نہ کسی نبی اور نہ کسی رسول کا حکم ہے بلکہ انہی کاموں سے اللہ نے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اس لحاظ سے یہ اعتراض اپنی اہمیت کھو دیتا ہے۔ ہاں سمجھنے والوں کے لیے ایک انتہائی قیمتی بات ہے اور وہ ہے فلسفہ قربانی۔ یوں تو سارے نبیؑ اللہ کے دوست ہوتے ہیں۔ ہر ولی اللہ بھی ہر مسلمان بھی اللہ کا دوست ہوتا ہے۔ اللہ سے دشمنی تو صرف کافر کے نصیب میں ہے لیکن بعض لوگ اس دوستی میں اس حد تک آگے چلے گئے کہ یہی اُن کا نشان بن گیا۔ حضرت ابراہیمؑ کا امتیازی نشان بھی خلیل اللہ ہے۔ اس دوستی کا اظہار اللہ نے انسانوں اور فرشتوں پر یوں فرمایا کہ پے در پے امتحان حضرت ابراہیمؑ پر بھیجے حتیٰ کہ اپنے پیارے اور عظیم فرزند کو اپنی راہ میں قربان کرنے کا حکم دے دیا۔ کتنی محبت چاہیے حکم دینے والے سے کہ اپنی پیاری اولاد کی گردن پر چھری پھیر سکے۔ یہی وہ نظارہ تھا جو رب العالمین نے ان فرشتوں کو کروایا، جو کہتے تھے کہ تخلیق آدم سے کیا فائدہ ہوگا؟ اللہ کریم نے انہیں دکھایا کہ ان میں ایسے بھی ہیں جو ہر شے میرے نام پر قربان کر سکتے ہیں اور میری

رضامندی کے لیے اپنی انتہائی عزیز ترین متاع اپنے ہاتھوں لٹا بھی سکتے ہیں۔ یہ قربِ الٰہی کا انتہائی اعلیٰ درجہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو یہ سعادت بخشی کہ تم اللہ کی راہ میں جانور ذبح کر دو تو تمہیں ایثارِ ابراہیمی میں سے حصہ دے دوں گا۔ اس طرح ہم اس فلسفہ قربانی کو دیکھیں اور اپنے ان چند سکوں کو دیکھیں جن سے جانور خریدتے ہیں تو کیا یہ سودا مہنگا ہے؟

روشن خیالوں کو یہ اعتراضات صرف دین پر ہی سوجھتے ہیں ورنہ یہ انتہائی سستا سودا ہے کہ ہم صرف چند روپے خرچ کر کے اس ثواب میں حصہ دار بن جاتے ہیں جو ابراہیمؑ خلیل اللہ نے اپنے جگر گوشہ کی گردن پر چھری رکھ کر حاصل کیا تھا۔ اس کا کوئی عشر عشیر، کوئی ذرہ مل جائے تو بھی اجرِ قربانی ہی کا ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ایسا کریم ہے کہ اس نے اُمتِ محمدیہ کے کسی فرد کو اس سے محروم نہیں رکھا۔ امیروں کو صاحبِ استطاعت بنا کر مکہ مکرمہ کی حاضری عمر میں ایک بار فرض کر دی اور جس کے پاس وسائل نہ ہوں وہ اگر ہر جمعہ باہتمام پڑھے تو اس کا جمعہ پڑھنا اسے حج کا ثواب دیتا ہے۔ اسی طرح غیر حاجی اپنے اپنے مقام پر جہاں بھی ہے وہیں ان مقررہ دنوں میں مقررہ اوقات میں قربانی کرے تو اسے بھی وہ اجر و ثواب ہوتا ہے اور وہ بھی قربِ الٰہی کی ان کیفیات میں سے اپنا حصہ پا لیتا ہے جو کیفیات حجاج کرام کو وہاں قربانی کر کے نصیب ہوتی ہے سو قربانی ایک ایسا عمل ہے جس سے یہ مذکورہ کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ قربانی کے لیے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے میسر آئے وہ ضرور کرے کیونکہ سال میں یہ صرف تین دن آتے ہیں۔ ایثار و قربانی کی یہ کیفیات یہ اجر و ثواب زندگی بھر کے لیے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی خواہشات کی قربانی کا حوصلہ ان تین دنوں میں وافر میسر آتا ہے ان کے علاوہ کبھی یہ اجر حاصل نہیں کر سکتے پھر آئندہ سال انتظار کرنا ہوگا اگر عمر نے وفا کی!

ہمارے علاقے میں ایک روشن خیال نے اسی اعتراض پر مبنی تقریر کی اور اُسے میں نے یہی جواب دیا کہ قربانی کا اجر کیفیات کی صورت عطا ہوتا ہے۔ انسان کی عملی زندگی میں اللہ کے لیے ایثار کرنے کا حوصلہ عطا ہوتا ہے۔ ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی صرف آپ ﷺ ہی کی بات مدِ نظر رکھتے ہیں اور آپ ﷺ نے قومی تعمیر کے کام بھی کیے ہیں اور قربانی بھی کی ہے اور ہر سال کی ہے۔ اسی ہستی نے خود جانور ذبح کیے ہیں اور ہمیں عید قربان پر جانور ذبح کرنے کا حکم دیا ہے جو عظمت جو اخلاق جو کردار جو قربِ الٰہی کے انداز اس ہستی نے دیئے ہیں وہ کہیں سے لا کر دکھاؤ۔ ہم کسی اور مقصد کے لیے قربانی نہیں کرتے ہم صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں کرتے ہیں۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ کرتے اور ہمیں کرنے کا حکم نہ دیتے تو ہم کون ہوتے تھے۔ سنتِ ابراہیمیؑ پر عمل کرنے والے؟ ہم ابراہیمؑ کی اُمت نہیں ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہیں اور یہ اللہ کا کرم ہے کہ جو انوارات انہیں آگ میں ڈالے جانے پر نصیب ہوئے وہ ہمیں محمد رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم کی غلامی کرنے پر ہماری حیثیت کے مطابق ہمیں عطا کر دیئے۔ یہ اللہ کا احسان ہے کہ جو کیفیت ابراہیم خلیل اللہ کو اسمٰعیلؑ جیسا لختِ جگر قربان کرنے پر نصیب ہوئی ہمیں اپنی حیثیت کے مطابق ایک جانور ذبح کرنے پر نصیب ہوتی ہے اور یہ اس لیے کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں ورنہ ابراہیمؑ سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک

اُمتیں تو اور بھی گزری ہیں نہ کسی کو ان پہاڑوں پر بھاگنا نصیب ہوا نہ کسی جانور کو ذبح کر کے اس اجر کو پانا نصیب ہوا۔

میرے اس جواب کے بعد اس روشن خیال نے لب نہیں کھولے لیکن اب آج کا وہ مولوی مجھے جواب دے جو کہتا ہے کہ جانور ذبح نہ کریں آپ اپنے پیسے ہمارے اکاؤنٹ میں جمع کروا دیں آپ کی طرف سے قربانی ہو جائے گی۔ میں فتویٰ تو نہیں دیتا لیکن یہ بات پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ وہ کیفیت جو آپ کو جانور ذبح کرنے سے ملتی ہے وہ کسی بنک اکاؤنٹ میں پیسے بھیج کر نہیں ملے گی۔

اس بات کا خیال پہلے علماء کرام کو نہ آیا؟ امام ابو حنیفہ کو نہ آیا؟ جو حساب کتاب کے اتنے ماہر تھے کہ بادشاہ نے جب انہیں جیل بھجوایا اور یہ مشقت دی کہ لاکھوں اینٹیں پڑی ہیں۔ انہیں گنو اِن لوگوں کا خیال تھا کہ اتنی اینٹیں گننے کے لیے انہیں اِدھر سے اُدھر اٹھا کر رکھنا ہوں گی۔ اس طرح اپنی طرف سے انہوں نے بڑی مشقت آمیز سزا دی تھی۔ امام ابو حنیفہ نے چند منٹوں میں لمبائی چوڑائی کا حساب کر کے ضرب دے کر تقسیم کر کے بتا دیا کہ یہ اتنے لاکھ اینٹ ہے تو وہ حیران ہو گئے کہ اسے ہم نِرا مولوی سمجھتے تھے یہ تو ہر فن میں یکتا ہے۔ ایسے شخص کو یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ ایک جانور کی قیمت کیا ہے اور سال میں پوری اُمت مسلمہ کتنے جانور ذبح کرتی ہے اور ان کا کوئی اور مصرف بھی ہو سکتا ہے؟ یہ بات ان کے روشن دماغ میں نہ آئی۔ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ قربانی کا مقصد کیا ہے؟ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ کیفیت مطلوب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہو سکے تو اپنا جانور خود ذبح کرو اتنا بھی نہ کر سکو تو کم از کم پاس کھڑے ہو کر ذبح کراؤ اس کیفیت سے اپنے آپ کو گزارو کہ تم چھوٹی چھوٹی باتوں پر اللہ کی نافرمانی کر جاتے ہو۔ اللہ کے وہ بندے کیا تھے جنہوں نے اسمٰعیل جیسے جگر گوشے کو کاٹ کر رکھ دیا۔

یہ کیفیت کسی مولوی کے اکاؤنٹ میں پیسے ڈال کر نہیں ملتی، مجھے بڑا دکھ ہوا ہے۔ بڑی بڑی تنظیموں نے اخبارات و رسائل اور جرائد میں ہزاروں روپے کے اشتہارات چھپوائے ہیں۔ لوگوں سے قربانی کے پیسے لے کر اشتہارات پر خرچ کرتے ہیں تا کہ مزید رقم ملے۔ لوگوں کی قربانی کیسے ادا ہو گی اور انہیں بغیر اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کیسے قربانی کی کیفیات ملیں گی اور کیسے انہیں ثواب ملے گا۔

دین کے ہر حکم کی اہمیت اپنی جگہ ہے۔ عبادت کے حکم کا جواب تعمیل حکم ہے۔ حکم کا جواب حجت بازی نہیں ہے۔ دین مکمل اطاعت کا نام ہے۔ اس میں ہمیں مشورے دینے کی اجازت نہیں دین اللہ کے حکم پر اپنا سر جھکا دینے کا نام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتبار کا نام ہے۔ قربانی کی کئی حکمتیں ہیں۔ قربانی صرف اطاعتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کی جاتی ہے۔ اس سے قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ نفس کی تربیت ہوتی ہے۔ دل میں عظمتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ آتا ہے۔

دین کے ہر حکم کو اس کی اپنی جگہ پر رکھ کر اہم جان کر ماننا ہی دین ہے جو مولوی لوگوں سے قربانی چھڑوا کر اپنے اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے کو کہتے ہیں ویسی ہی غلطی تو غلام احمد پرویز نے کی تھی۔ اس بے چارے نے حساب کر کے بتایا تھا کہ اتنی رکعت فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء پڑھنے پر اتنا وقت لگتا ہے لہٰذا وقت تو ضائع ہو گیا۔ (نعوذ باللہ)

اس لیے بندہ ہاں کہیں بھی ہے، اپنی جس ڈیوٹی پر ہے وہی ڈیوٹی تندہی سے کرتا رہے تو وہی اس کی نماز ہے۔ اس نے

نماز کا بدل یہ دیا تھا اس پر وہ کافر ہو گیا اور یہی بات مولوی اب قربانی کا بدل دے کر کر رہے ہیں اور لوگوں سے ایک واجب عمل چھڑوا رہے ہیں حالانکہ اسوۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے سامنے ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ سو اُونٹ قربان کیے جبکہ زندگی بھر دردولت پر پیٹ بھر کر دو وقت کا کھانا میسر نہیں رہا۔ کاشانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک دن نہیں گزرا کہ دونوں وقت کا کھانا موجود ہو بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک چاند طلوع ہوتا تھا اور ہمارے گھر میں چولہا نہیں جلتا تھا۔ پکا کر کھانے والی کوئی چیز نہ ہوتی تھی بس دودھ اور کھجور پر گزارہ ہوتا تھا۔ یہی سب اہلِ خانہ کی غذا ہوتی تھی۔ اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سو اُونٹ قربان کیے۔ کس طرح یہ رقم پس انداز کی ہوگی، کتنی بھوک کاٹی ہوگی اور یوں سو اونٹ اللہ کی راہ میں قربان کیے یہی رقم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی فنڈ میں دے دیتے۔ جہاد میں اتنی ضرورت تھی وہاں دے دیتے۔ سو اُونٹ بیچ کر مجاہدین کے لیے سامان جمع کر لیتے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ قیمت دینا مقصد نہیں ضرورتیں پوری کرنا مقصد نہیں۔

قربانی کا مقصد اس جذبے کو حاصل کرنا ہے جس سے بندہ اللہ کی خوشنودی کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہ کرے اور اس کے حصول کا ذریعہ اللہ نے قربانی رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کرنے کا حکم دیا ہے اور سکھایا ہے کہ اللہ کی خوشنودی کے لیے قربانی کرو۔ اللہ کے آگے سرنگوں کھڑے ہو کر کہو:

انی وجھت وجھی للذی فطر السموٰت والارض علیٰ ملۃ ابراھیم حنیفاً وما انا من المشرکین

ترجمہ: میں نے اپنا رخ اُس اللہ کی طرف کر لیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے۔ میں ابراہیمؑ کے طریقے پر ہر طرف سے کٹ کر یکسو ہو گیا ایک اللہ کی طرف اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

بارِالٰہا میں تیرا عاجز بندہ ہوں میں نے یہ جانور تیری رضا کے لیے ذبح کیا ہے تو تو کریم ہے، بے حد کریم ہے تیری رحمت کا کوئی کنارا نہیں، مجھے بھی ان کیفیات میں سے کوئی ذرّہ عطا فرما جو ابراہیمؑ کو اسمٰعیلؑ کو عطا کیں۔

قربانی کرنے کا یہ مقصد ہے۔ دین کے احکامات کا کوئی متبادل نہیں۔ یہی حالات رہے تو کل نماز کا متبادل بھی نکل آئے گا پھر رمضان کا متبادل بھی تلاش کیا جائے گا اور اللہ نہ کرے پھر قرآن کا متبادل بھی آ جائے گا۔ اسلام متبادل احکامات کا نام نہیں اس کے ہر ہر حکم کی اپنی اہمیت ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے ویسے کرنا پڑے گا۔ دین اسلام ایک کیفیت کا نام ہے ایک حالت کا نام ہے ہر حکم میں ایک حال ہے۔ ربِّ دو جہاں سے رابطے کی ایک صورت ہے، جب ربِّ کریم سے رابطہ نصیب ہوتا ہے برائیاں بری لگتی ہیں۔ اچھائیاں اچھی لگتی ہیں۔ اطاعتِ نبویؐ جان سے بڑھ کر عزیز ہوتی ہے اور جینے کا لطف آ جاتا ہے۔

کسی فارسی شاعر نے کہا تھا ''عید قربان است می خواہم کہ قربانت شوند'' قربانی کی عید ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی جان تیری راہ میں لٹا سکوں۔ یہی قربانی کرنے کا اثر ہے جو بطفیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عطا ہوتا ہے۔

قربانی کا حاصل یا قربانی کا نتیجہ

یہ یقینی بات ہے کہ اگر ہم نے خلوص کے ساتھ قربانی کی تو صرف بکرا قربان نہیں ہوگا صرف جانور ذبح نہیں ہوگا بلکہ اللہ کی توفیق بھی عطا ہوگی کہ ہم اللہ کے لیے اپنے مفادات کو بھی قربان کر سکیں۔ ہم عبادات کے اوقات میں آرام قربان کر سکیں۔ ہم حلال

کے مقابلے میں حرام کو چھوڑ سکیں۔ ہم بھوک قبول کرلیں اور حرام نہ کھائیں۔ جھوٹ بولنا چھوڑ دیں خواہ اس میں ہمیں تکلیف اُٹھانا پڑے۔ ہم برائی سے اجتناب کرنا شروع کردیں۔ خواہ ایثار کرنا پڑے۔ کہیں نقصان بھی اُٹھانا پڑے۔

اگر ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے مطابق قربانی کی، خلوص کے ساتھ کی تو ہماری قربانی قبول ہو گی اور جب کوئی ذرہ ان انوارات کا نصیب ہوا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم میں عاداتِ ابراہیمی آنا شروع ہو جائیں گی ہم بھی اپنے مفادات اللہ کے احکام پر قربان کرنے کا حوصلہ پالیں گے۔ قربانی کے اس ایک نتیجے سے ہی ہم پرکھ سکتے ہیں کہ ہماری قربانی رسمی رواجی تھی یا خلوص کے ساتھ تھی۔ کیا میرے دل میں وہ جذبہ آیا ہے یا نہیں۔ ہر ایک کے دل کا حال یا اللہ جانتا ہے یا کسی حد تک بندہ خود اندازہ کر سکتا ہے۔

قربانی کے احکام

جس آدمی کو جتنی استطاعت ہو اپنی حیثیت کے مطابق اسے قربانی میں حصہ لینا چاہیے۔ ایک عید پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے سو اونٹ قربانی کیے تھے جس سے اس رواج کی نفی ہو جاتی ہے کہ ہر امیر غریب ایک بکرے یا دنبے پر اکتفا کرے۔ قربانی کو خانہ پری کے طور پر ادا نہیں کرنا چاہیے اگر ہمیں کسی اجر کی اُمید ہے تو ہمیں واقعی اپنے اوپر کوئی بوجھ ڈالنا چاہیے بغیر کسی سے مقابلہ کیے اپنی حیثیت کے مطابق قربانی کرنی چاہیے جس طرح ہم زیادہ محنت کر کے عید پر کپڑے اور جوتے بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح تھوڑی مشقت کر کے کچھ سال بھر پس انداز کر کے جتنا ممکن ہو قربانی کرنا چاہیے۔ ورنہ اگر ہر ممکن کوشش کے بعد بھی کچھ نہ بچے تو پھر اس پر قربانی واجب نہیں لیکن فقہا کے نزدیک پھر بھی اُسے کہیں سے ہدیہ آجائے تو یا کوئی اور صورت نکل آئے اور وہ قربانی کرے تو بہت اجر و ثواب کا مستحق ہے۔

قربانی کا وقت:

قربانی معین دنوں ہی میں ادا کرنے سے ادا ہوتی ہے یعنی ذی الحجہ کی دس تاریخ نماز عید کے بعد سے بارہ ذی الحجہ کی دوپہر سے پہلے تک قربانی ہو سکتی ہے۔ پہلے دن ذبح کر سکتا ہے دوسرے دن ذبح کر سکتا ہے اور تیسرے دن زوال آفتاب تک کر سکتا ہے۔ مگر کسی بھی رات کو ذبح کرنا بہتر نہیں۔ سب سے اوّل اور افضل بقرعید کا دن ہے، پھر گیارہویں اور پھر بارہویں ذی الحجہ۔ شہروں میں بقرعید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں اور دیہات میں جہاں نمازِ عید نہیں ہوتی وہاں دسویں تاریخ کی صبح صادق کے بعد بھی قربانی کرلی جائے تو درست ہے۔ (دُرِ مختار)

شہر میں اگر کسی نے بقرعید کی نماز سے پہلے قربانی کر دی تو اس کو دوبارہ قربانی کرنا ضروری ہے۔ (شامی)

حضرت جندب بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں عید قربان کے دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ ﷺ جیسے ہی عید کی نماز سے فارغ ہوئے آپ ﷺ کی نگاہ قربانیوں کے گوشت پر پڑی یہ قربانیاں نماز سے قبل ذبح کی جا چکی تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے نماز سے پہلے قربانی

کر دی ہے وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کریں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

کس طرح قربانی ادا نہیں ہوتی:

جانور کے زندہ صدقہ کر دینے یا اس کی قیمت کو خیرات کر دینے سے قربانی ادا نہیں ہوتی کیونکہ قربانی ایک مستقل عبادت ہے اور صدقہ و خیرات علیحدہ کرنے کے کام ہیں جن پر علیحدہ ثواب ملتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایک عبادت کے ادا کرنے سے دوسری مستقل عبادت ادا نہیں ہوا کرتی ہے۔ اس لیے صدقہ و خیرات کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوتی جیسے صدقہ یا زکوۃ ادا کرنے سے حج نہیں ادا ہوتا ہے نہ نماز ادا ہوتی ہے۔

خواتین کے لیے حکم قربانی:

جس طرح مردوں پر قربانی واجب ہے اسی طرح عورتوں پر بھی انہی شرائط مذکورہ کے ساتھ واجب ہے، اگر کسی عورت کی ملکیت میں اتنا مال ہے جس پر قربانی واجب ہوتی ہے تو عورت پر بھی قربانی واجب ہے، جو مسلمان مرد و عورت مال کی ملکیت رکھتا ہے اور قربانی کی استطاعت رکھتا ہے تو اس پر ہر سال قربانی واجب ہے صرف ایک سال قربانی کر دینا کافی نہیں۔

خواتین اپنا جانور اپنی موجودگی میں ذبح کروائیں یہ افضل ہے۔

قربانی کا جانور:

افضل یہ ہے کہ جانور نہایت عمدہ ہو۔ اپنی حیثیت کے مطابق خرید کر ذبح کیا جائے ورنہ فقہا کہتے ہیں کہ جو جانور چل کر ذبح ہونے کی جگہ پہنچ جائے وہ بھی جائز ہے۔

بکرا، بکری، بھیڑ، دنبہ، گائے، بیل، بھینس، اونٹ، اونٹنی صرف ان جانوروں کی قربانی جائز ہے۔ مرغی یا مرغ یا کوئی اور جانور قربانی کی نیت سے ذبح کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

قربانی کے جانور کے بارے ہدایت:

قربانی کا جانور: حضرت براء بن عاذبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ قربانی میں کیسے جانوروں سے پرہیز کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا اور بتایا کہ چار ایسے عیوب ہیں، جن سے جانور قربانی کے قابل نہیں رہتا ایک ایسا لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن بہت کھلا ہوا ہو۔ دوسرا عیب ہے جس کی آنکھ خراب ہو اور وہ خرابی بالکل نمایاں ہو۔ تیسرا بیمار جانور چوتھا ایسا کمزور اور لاغر کہ اس کی ہڈیوں کا گودا بھی نہ رہا ہو۔

(موطا امام مالک، مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابی ماجہ)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسے جانور کی قربانی سے منع فرمایا ہے جس کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو یا کان کٹا ہوا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

قرآن مجید نے نیکی کے لیے ایک اصول کے طور پر فرمایا ہے "لن تنالو البرحتی تنفقوا مما تحبون" "تمہیں نیکی کا مقام اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک وہ چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو جو تمہیں مرغوب و محبوب ہوں۔ قربانی کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کی روح ہی ان کا خاص

مقصد ہے۔

عیب دار جانور کے بارے اصولی مسئلہ یہ ہے کہ کوئی بھی مثلاً سینگ، دانت یا کان اگر چوتھا حصہ کٹا ہوا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔ دانت ایک مستقل عضو ہے، دیکھ لیں اگر چوتھائی دانت ٹوٹ گیا ہے تو قربانی کے قابل نہیں۔ چوتھائی سے کم ہے تو کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح سینگ اور کان بھی مستقل اعضاء ہیں ان کے بارے بھی یہی حکم ہے۔ بس اس بات کا خیال رہے کہ آج ہم جو اللہ کے نام پر ذبح کر رہے ہیں کل روزِ محشر اسی کا اجر ہمیں اپنے گناہوں کے ازالے کے لیے درکار ہو گا۔ ان سب میں خلوص ایثار اور اللہ کی رضامندی کی طلب بنیادی شرط ہے۔

قربانی کے جانور کی عمر

بکری، بکرا کی عمر سال بھر سے زائد ہونا ضروری ہے۔ اس سے کم کی قربانی درست نہیں۔ گائے، بیل، بھینس اور بھینسا ان کی عمر دو سال سے زائد ہو دو سال سے کم عمر کا جائز نہیں اور بھیڑ اور دنبہ جلتی دار ہو یا بے جلتی دار اگر ایسا فربہ ہو کہ سال بھر کا دکھائی دیتا ہو تو ایسا جانور چھ ماہ کی عمر والا بھی قربانی کے لیے جائز ہے۔ (شامی)

بڑے جانور میں کتنے حصے

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گائے یا بیل کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے اور اسی طرح اونٹ کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے۔ (صحیح مسلم وسنن ابی داؤد)

مشترکہ قربانی

جن جانوروں میں شراکت کی جاتی ہے۔ ان کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے۔ اس لیے کہ سب حصہ داروں میں سے آخر ایک حصہ دار بھی مطمئن نہ ہو تو سب کی قربانی قبول نہیں ہوتی خواہ وہ کسی معمولی سی چیز پر ہی غیر مطمئن ہو جائے۔ اس لیے سب حصہ داروں کا مشترکہ قربانی کے ہر قدم پر راضی ہونا اور متفق ہونا ضروری ہے۔ دیہات میں عموماً موچی حضرات جانوروں میں شراکت کر لیتے ہیں اور ان کی غرض چمڑہ حاصل کرنا ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کا حصہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ کسی اور کو چمڑہ دیتے نہیں دیتے پھر اسی حصہ داری کی بنا پر چمڑہ سستے داموں خرید لیتے ہیں۔ اس طرح انہیں چمڑے کے ساتھ گوشت نفع میں مل جاتا ہے۔ اس کاروباری انداز اور اس نیت کے سبب ان کی شراکت کے باعث سب کی قربانی نہیں ہوتی۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ جو لوگ قربانی میں شرکت کر رہے ہیں۔ ان سب کے عقائد درست ہوں جب کسی ایسے آدمی کو جس کا عقیدہ اسلامی عقائد کے خلاف ہے۔ قربانی میں حصہ دار بنایا جاتا ہے تو پھر کسی ایک کی بھی قربانی ادا نہیں ہوتی۔

یاد رہے کہ مقلد، غیر مقلد، دیوبندی، بریلوی ان میں اصولوں میں اختلاف نہیں چھوٹے چھوٹے فروعی اختلافات ہیں۔ سب مسلمان ہیں ان سب میں گزارا کرنا چاہیے۔ اتنی برداشت ہونی چاہیے۔

جو واقعی غلط اور خلافِ اسلام فرماتے ہیں۔ ان میں الوہیت سے نبوت تک، کتاب سے آخرت تک، نماز، کلمہ، روزہ، مسائل نکاح وطلاق سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے مختلف بنائے گئے ہیں۔ اسی طرح وہ نبوت کو جاری مانتے ہیں۔ نبوت معمولی بات نہیں۔ نبوت ہی دین کی بنیاد ہے۔ اللہ سے

بندے کا تعلق نبیؐ کے طفیل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد کسی نبی کی اللہ نے ضرورت ہی باقی نہیں رکھی لیکن گمراہ فرقے کہیں نام بدل کر کہیں مفہوم بدل کر نبوت پر ہی متفق نہیں ہوتے۔ اس لیے ان لوگوں کو اپنی قربانی میں شراکت ہرگز نہیں کروانی چاہیے۔

قربانی کے حصے

یہ بھی ایک رسم ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کیے جائیں۔ ایک رشتہ داروں، دوسرا غریبوں، تیسرا اپنی ذات کے لیے ہو۔ یہ لازمی نہیں خواہ آپ سارا غریبوں کو دے دیں یا رشتہ داروں کو دے دیں یا خود رکھ لیں اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ البتہ بانٹنے کا ایک مسنون طریقہ ہے وہ یہ کہ رشتہ دار کا حق دوسروں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ انہیں دیں گے تو دوگنا اجر ملے گا پھر اپنے پڑوس والوں کو دیں گے تو باہر والے کی نسبت زیادہ اجر پائیں گے اور اگر سارا خود نہیں کھائیں گے کچھ دوسروں کو دے دیا تو بہت سے لوگ آپ کی خوشی میں شامل ہو گئے اس سے ثواب زیادہ ہوگا۔ ورنہ تین حصوں میں بانٹنا شرط نہیں ہے البتہ قربانی کے گوشت میں غریب اور مسکین کا حق ضرور سمجھیں۔ محض تحفے دینا درست نہیں۔ امیر رشتہ داروں کو بھیجنا بھی اتنا ضروری نہیں جتنا ان لوگوں کو دینا ضروری ہے جو قربانی نہیں کر سکتے، جو لوگ جانور ذبح کرنے کی استعداد نہیں رکھتے انہیں بھی حق حاصل ہے کہ وہ قربانی کے گوشت سے عید منالیں۔

قربانی کی کھالیں

قربانی کی کھال یا چمڑا مساکین کا حق ہے۔ اسے ذبح کروانے کی اُجرت میں نہیں دے سکتے، جس سے ذبح کروایا جائے اُسے الگ سے اُجرت دی جائے۔ کھالیں بھی مساکین کا حق ہیں۔ حضور ﷺ نے جن اُونٹوں کی قربانی دی اُن کے گلے میں جو رسیاں تھیں وہ بھی خیرات کے طور پر غریبوں کو دی گئیں۔ اسی طرح حق یہ ہے کہ قربانی کی کھالیں فروخت کر کے سب سے پہلے غریب رشتہ داروں کو دیا جائے پھر محلے داروں کو پھر غرباء مساکین کو۔

قربانی کی کھالوں کے استعمال میں ایک گنجائش ہے وہ یہ کہ قربانی کے چمڑے اجتماعی مفاد کے کاموں پر خرچ کیے جا سکتے ہیں جب کہ زکوۃ ہر آدمی اجتماعی کاموں پر خرچ نہیں کر سکتا۔ وہ مساکین کا حصہ ہے۔

اجتماعی استعمال کی چیزیں بنانے کے لیے کھالوں کی قیمت استعمال ہو سکتی ہے، جیسے کھال سے کنوئیں کا ڈول بنالیا یا پیسے جمع کر کے گلی پختہ کروالی اس قدر گنجائش ہے کہ اجتماعی فائدے کے کام پر خرچ کر دے۔

قربانی کا طریقہ

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ قربانی کے دن یعنی عید قربان کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہی وسفیدی مائل سینگوں والے دو مینڈھوں کی قربانی کی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا رُخ قبلہ کی طرف کر لیا تو یہ دعا پڑھی "انی وجهت وجهی للذی فطر السمٰوت والارض علی ملة ابراهیم حنیفاً وما انا من المشرکین ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العلمین لا شریك له وبذلك أمرت وانا من المسلمین،

اَللّٰهم منك ولك عن محمدٍ و امته بسم الله و الله اكبر ثم ذبح"

ترجمہ: (میں نے اپنا رُخ اس اللہ کی طرف کر لیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے۔ میں ابراہیمؑ کے طریقے پر ہر طرف سے کٹ کر یکسو ہو گیا۔ ایک اللہ کی طرف اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میری نماز اور میری عبادت، میری قربانی اور میرا مرنا جینا اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں اور مجھے اسی کا حکم ہے اور میں حکم ماننے والوں میں سے ہوں)

اس کے بعد فرمایا: اے اللہ یہ قربانی تیری ہی طرف سے ہے اور تیری ہی توفیق سے ہے اور تیرے ہی واسطے ہے۔ تیرے بندے محمد ﷺ کی اُمت کی جانب سے۔ بسم اللہ واللہ اکبر۔

یہ دعا پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈھے پر چھری چلائی اور اُسے ذبح کیا۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، دارمی)

حقیقی قربانی تو ان لوگوں کی ہے جو سب کچھ اللہ کے لیے قربان کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ حقیقی قربانی تو ان خوش نصیبوں کی ہے جو راہِ حق میں کام آئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔ کیا پاک مزاج لوگ تھے۔ کیسے عجیب لوگ تھے۔ ہم بہر حال جانور ذبح کرتے ہیں اور ہمیں یقین نہیں آتا کہ یہ قربانی قبول ہوگی۔ اس میں ہمارا خلوص مشتبہ ہوتا ہے۔ ہمارا سرمایہ مشتبہ ہوتا ہے۔ ہمارے طریقے خلافِ سنت ہوتے ہیں بلکہ رسومات پر مبنی ہوتے ہیں اور عبادت تو وہی ہے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقے سے ہو اور نبی علیہ السلام کے حکم سے ہو۔ اپنی مرضی سے نہیں۔ سو ہم سے تو ہزاروں کوتاہیاں ہو جاتی ہیں لیکن وہ کتنے خوش نصیب تھے جن کی جانیں اس نے قبول کر لیں۔ قربانی کی حقیقت تو وہ پا گئے جنہوں نے واقعی قربانی دی جو دے رہے ہیں اور دیتے چلے جا رہے ہیں محض بقائے دین کے لیے محض احیائے دین کے لیے۔ دین تو باقی رہنا ہے۔ اللہ نے رکھنا ہے۔ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آخری دین اسلام ہے آخری کتاب قرآنِ حکیم ہے تو جب تک اللہ نے دنیا کو قائم رکھنا ہے تب تک یہ نبوت بھی رہے گی یہ دین بھی رہے گا اور جب یہ دین نہیں رہے گا تو یہ دنیا بھی نہیں رہے گی۔ دین کو اللہ نے باقی رکھنا ہے لیکن دنیا عالم اسباب ہے۔ اس میں کس کس کو دین کی بقاء کا سبب بناتا ہے یہ اس کا اپنا انتخاب ہے۔ کس کو اس سعادت سے سرفراز کرتا ہے یہ اس کی اپنی پسند ہے۔ بعض اوقات ہم کسی کو بظاہر بے کار سمجھتے ہیں لیکن اس کے دل میں اتنا خلوص ہوتا ہے کہ اللہ اُسے قبول کر لیتا ہے اور کسی دوسرے کو ہم پارسا سمجھتے ہیں لیکن وہ اندر سے اتنا کھوٹا ہوتا ہے کہ اللہ اسے قبول نہیں کرتا، تو ہماری کوشش یہ ہو کہ جب جانور قربان کریں تو یہ دعا بھی کریں کہ اے اللہ نہ صرف ان جانوروں کی قربانی ہم سے قبول فرما بلکہ ہماری ذاتی قربانی بھی قبول فرما۔ ہمیں بھی قبول فرما۔

قربانی کی عید تو شاید ڈھائی دِن کی ہے لیکن قربانی کا موسم ڈھائی دِن کا نہیں۔ یہ ڈھائی دِن کی عید جانوروں کی قربانی کی ہے۔ جان و مال کی قربانی، عشق و محبت کی قربانی، دردِ دل کی قربانی کا موسم آ رہا ہے، جا نہیں رہا۔ یہ موسم اپنے جوبن کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ خوش نصیب ہوں گے جن کے دل میں عشق ہوگا محبت ہوگی اللہ سے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ انہیں چن لے گا۔

☆......☆......☆

ربط شیخ کا ایک نکتہ

شیخ عالم الغیب نہیں ہوتا۔ عالم الغیب وہ ہوتا ہے جو یہ رابطے عطا کرتا ہے۔ آپ کے دل میں جتنا شیخ کے ساتھ خلوص ہوتا ہے۔ اللہ کریم شیخ کے دل سے اتنے انوارات آپ کے دل میں بغیر آپ کو بتائے انڈیل دے گا اور یہ ربط از خود قائم رہے گا۔ آپ اپنی طرف سے صرف سچی اور کھری طلب اور خلوص پیش کر سکتے ہیں اور کچھ بھی نہیں۔ اب اسکو جانچنا کہ یہ خلوص کس پائے کا ہے، کس درجے کا ہے، اسکی سمجھ شیخ کو بھی نہیں ہوتی۔

(اقتباس از کنز الطالبین)

تعاون

اسلم ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

مینوفیکچرز آف پی سی یارن

پل کوریاں سمندری روڈ فیصل آباد فون 2-041-267571

they become Majzoob? They lose consciousness and are thus graded as Marfoo al-Qalam, that is, people in whose cases the Pen has been lifted and their deeds are being recorded no more. Neither any of their good deeds nor bad deeds is counted. Shari'ah ordains that the affairs of such people should be left to ***Allah*** *(Subhanahu wa Ta'ala), they should neither be condemned nor appreciated. It should however be understood that every mad man*
is not a Majzoob. Majazeeb are the wayfarers of the Path and the seekers of Divine Nearness. Born lunatics or mentally ill people are not Majazeeb. It is exceptionally rare that such a person will be a Majzoob. However, it is established that being Majzoob is not an indication of excellence. it is rather a sign of imperfection. However even those great personalities who are bearers of blessings and spiritual feelings can experience a moment of Jazb (absorption). It is only the personage of a Prophet, who is never overwhelmed by Jazb. It is because during Jazb one loses consciousness, and if a Prophet is overwhelmed by Jazb, there is a danger of his Ummah being mislead because he may say anything under its effect. Therefore, Prophets are never overtaken by Jazb. Among the non-Prophets there is only one personality, that of Hadhrat Abu Bakr Siddiq who was never overwhelmed by Jazb. Even a great person like Hadhrat Umar was also momentarily over taken by Jazb when he received the news of the passing away of the Holy Prophet (saws). He drew his sword and said, 'I shall chop off the head of anyone who says that the Holy Prophet has died.' Then Hadhrat Abu Bakr Siddiq recited this Ayah of the Holy Quran, Muhammad is only a Messenger...(3:144).

Hadhrat Umar used to say, 'When I heard this Ayah from Abu Bakr I thought as if I had heard it only at that moment, as if I had never known it before. So, even a person like Hadhrat Umar was also overtaken by Jazb for a few moments, because the tragedy of the passing away of the Holy Prophet was so immense. Any accomplished saint can also be over whelmed by Jazb momentarily; it is not an indication of their imperfection. But to become a Majzoob permanently is a great weakness.

Of the many objections that are raised against Tasawwuf is the one that Sufis exclude themselves from practical life; they neither work themselves nor let others work. This is a totally absurd notion. A Sufi is a better practising Muslim with a stronger character than a non-Sufi. He doesn't waste his life but spends every moment positively, constructively. Because of Zikr blessings, he possesses greater work potential and better understanding of worldly issues. It is a requirement of the Path that every moment of life should be counted and positively utilized. No moment should be wasted. Time is not superfluous to be just whiled away or the life to be just spent. It is not unimportant to be just wasted. It is so important that when death arrives, not a moment can be bought back. It is invaluable, never to come again! We don't know whether we will have the next moment with us; whether we will have health, consciousness or even vision? Therefore utilize the moment that is available with you, the present to earn Divine Pleasure. May Allah Kareem overlook our mistakes and accept our good deeds. May He grant us this life with Faith, may He grant us death with Faith and may He raise the us with Faithful. Ameen!

After this body is completely burnt, ***Allah****-swt will grant him new body to enter Jannah. It is mentioned in a Hadith that a man will come to the House of* ***Allah*** *from a far off place. He would have reached after lot of inconvenience, dust of his journey still covering him, and he would earnestly cry out before his Lord, 'Labbaik Allahumma Labbaik' (I am present, O my Lord, I am here)! But, his prayer will invoke no Divine Response. The reason explained by the Holy Prophet-saaws was that his Rizq won't be Halaal, his resources and journey expenditures won't be Halaal and his food won't be Halaal. Therefore, it is necessary for man to be careful about these two aspects.*

Then, one should never think that he has become very pious. He should rather realize that piety is necessary to remember ***Allah****-swt and to attain his Closeness. But, what is piety? Piety means following the Holy Prophet-saaws, it denotes adherence to the Shari'ah. It signifies the restoration of peace, order and honour in the society by securing one's lawful rights as well as fulfilling the rights of others. A person can sacrifice his own rights for this cause,* ***Allah****-swt has given him the option, but he must try to fulfil the rights of others.*

It is fundamentally important for every Sufi to make full effort to follow the Sunnah in every matter. Then, when he performs Zikr and receives spiritual attention, his Rooh develop the ability to fly (to Spiritual Stations). When the Rooh reaches Ahadiyyat, it still requires a guide for crossing the Circle, someone who doesn't just indicate the way but instead takes it along, straight across.

The traveller of the Path always requires a guide, a Shaikh who continuously takes him along the straight Path. If his direction changes even slightly, he will keep circling in the vastness of Ahadiyyat forever and will be lost. He therefore needs a Shaikh who is familiar with the Path and takes him along further ahead. The same condition applies to Maiyyat Aqrabiyyat and all Circles thereafter.

One of the reasons for a Salik to become Majzoob is that he reached Ahadiyyat, continued with his endeavours, took lawful and pure food. The heat of Divine Refulgence kept intensifying but he didn't find a guide who could take him across Ahadiyyat. Due to prolonged stay at one station he can be overwhelmed by Jazb, can be physically affected and may lose consciousness. Hadhrat Rahmat Ullah Alaihi used to remark about Mansoor Hallaj that he was in Maraqbah Fana but he didn't find a guide who could take him further. In the Maraqbah of Fana and Baqa one observes Divine Refulgence in each and every particle And Everlasting is the Countenance of your Lord, that is everything exists because of Him. It is He who sustains everything. Mansoor didn't find a guide who could take him further he was lost in this Circle. He was overwhelmed by observation of Divine Lights in every particle and cried out, Anaa al Haqq (I am the Truth!)

Hadhrat used to say, had he found a man of God who could guide him unto Salik ul-Majzoobi from Baqa Billah, he wont have shouted Anaa al-Haqq. But he found none and thus became a Majzoob there. Majazeeb are wayfarers of the Path, conscientious, hard-striving men who are over whelmed by Jazb for staying at one station. Thereafter they stay at the same station and do not progress further. If they could go any further why would

now. Please spend the night with us. You can resume your journey in the morning. We will send your meal in a while'. Ustad ul Mukarram-rua told them, 'Then please don't send the food cooked by someone who doesn't offer Salah, because I cannot eat the food prepared by such person.' This condition placed them in a dilemma. They searched the whole village but didn't find a single woman who offered regular Salah. Finally, they decided to serve only milk to him, because it wasn't 'cooked' by anyone. So he had to be content with only milk for that night.

A vibrant picture of the Islamic society has been drawn by these two phrases. What should be their sources of earning, what is their culture, how do their women live...this portrays a complete image of life. Optimum effect of Zikr will be realized only when all of these aspects are adequately taken care of. Ustad ul Mukarram-rua used to say, 'If you teach ***Allah's*** *Zikr to a Hindu or a non-Muslim and he starts doing Zikr, the Light of* ***Allah's*** *Name can be seen flashing on him. But, as soon as he stops doing Zikr, the Light will immediately vanish. A body which is not illuminated by the light of Faith cannot retain Divine Refulgence. Similarly, Divine Refulgence will not reside in a body fed on Haraam (unlawful) Rizq. The effort for Zikr becomes an un-rewarding exercise if the conduct is indecent or the Rizq is Haraam. Generation of Divine Lights during Zikr is a great favour of* ***Allah****-swt. These Divine Lights should saturate every part of the body. These should suffuse in its every cell, so that the body becomes their permanent abode. But to be able to achieve this, the body must be brought up on Rizq that is Halaal (lawful) as well as Tayyib (pure). The Holy Prophet-saaws has mentioned that the flesh gained on the body through Haraam Rizq will be burnt and consumed by Hell Fire. Afterwards, Allah-swt will grant new flesh to the body for entering Jannah. 'Suht' is the word used by the Holy Prophet-saaws in this context. Literally, 'Suht' means a particular form of Haraam, but in the Hadith, it has been used to include every form of Haraam. Literally it applies to a situation, where an employee tries to receive service charges from individuals while being paid by his company for the same service. Employees in our offices accept bribes to do jobs for which they are getting salary from their departments. Such unlawful earning by exploiting people is branded as Suht. However, according to the Prophetic saying, it includes every form of Haraam. The Holy Prophet-saaws remarked that Hell Fire is the most appropriate destination for the part of body fed on Haraam Rizq.*

Devouring Haraam Rizq is a grave sin. Kufr (disbelief) and Shirk (poly theism) are also great sins; Shirk is indeed a great transgression. However, even a grave sin like Shirk overwhelms a person, it doesn't permeate him. 'Overwhelming' means it covers a person. By ***Allah's*** *Grace, just as he recites the Kalimah with his heart's confirmation, the whole Shirk vanishes immediately. Haraam Rizq, on the other hand, doesn't cover a person, it saturates him, i.e. it becomes a part of his body. It flows through his blood and becomes a part of his flesh and bones. If a person bringing such body to the Day of Resurrection is granted Salvation, even then he will have to stay in Hell to burn the body raised on Haraam Rizq.*

where it descended from. It caused a lot of distaste and displeasure during Zikr.' It was the routine of Ustad ul Mukarram-rua to lead the 'Isha Salah after Zikr and retire to his home. After he left and the effect of his remark faded, one of the local Ahbab said, 'Today, we went to Mianwali to appear before the court. We travelled by public transport, took food at hotels and gossiped around with people. When Ustad ul Mukarram-rua mentioned about the gloom, we thought we will be caught.' Public dealings, taking food at hotels and mixing with people casts negative effects that were felt by Ustad ul Mukarram-rua, although he had no knowledge about their activity, yet he too felt the effects and complained of their gloom.

***Allah**-swt has directly addressed these two Commands of eating good things and doing righteous deeds to the Holy Prophet-saaws. Such manner of directly addressing the Prophets and Messengers is adopted to emphasise the importance of Divine Command, because the Prophets and Messengers are always innocent and remain ever obedient to **Allah**-swt. Such direct addresses emphasise the significance of a Divine Command, highlighting the point that when Prophets and Messengers are being given a direct Order, who else can claim any exemption. The base of righteous deeds is the belief and faith. Iman (Faith) denotes the sure belief in **Allah's** Unity and Greatness, and in the Messengership of the Holy Prophet-saaws. The strength and depth of this sureness is known as Iman (Faith). It is this Iman that is a catalyst for all actions. Human deeds become virtuous only by adherence to the Holy Prophet-saaws.*

*If we analyse human conduct, we shall discover that every person has a reason to justify his every action. He has a judge sitting deep inside him, who decides this is right and this is what he has to do. People may disagree with him, but he will do what has already been decided by his inner judge. If the opinion of every person is taken as the standard, then what shall be the criterion of virtuous deeds? The criterion of virtuous deeds is the Holy Prophet-saaws! All that he did or commanded to do and all that he liked is good and virtuous. Similarly anything that he-saaws disliked is bad and impious. The criterion of virtue, in the Sight of **Allah**, is the Holy Prophet-saaws; it is neither your liking nor mine, neither the liking of rulers nor that of the masses, neither the liking of any great man nor the liking of any insignificant person. When a person earns his livelihood in accordance with the principles laid down by the Shari'ah and then consumes in a way which is not unlawful, that is when he is granted the capacity to work righteous deeds. These two factors are most important in Tasawwuf. Zikr Allah conveys the Light of Allah's Name to every cell of the body. However, if the food is lawful but impious, it affects this illumination.*

Once Ustad ul Mukarram-rua was going to Langar Makhdoom. During those times the transport facilities were not as good as now, one had also to walk for my miles. On the way he heard the Azan for Maghrib Salah. He went to pray in a nearby Masjid. After Salah, in accordance with a local custom, the people asked him if he was a wayfarer and where he was going. He told them that he was going to Langar Makhdoom. They said, 'It is quite dark

The Significance of Lawful Food in Tasawwuf

Translated Speech
of
His Eminence Ameer Muhammad Akram Awan

Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah
Dar ul Irfan, Munara, Pakistan
01 August 2007

O the Messengers! Eat of the good things and do righteous deed...(23:51)

It is a wondrous observation in the stages of the Path that the manner in which the sky is surrounding the earth, the 'Arsh of ***Allah*** *is similarly enveloping the skies and the 'Alam-e Amr is enclosing the 'Arsh in exactly the same way. Accessing the stages of the Path is a great favour of Allah-swt; ascending to Ahadiyyat is no trivial matter either. It is a great achievement that someone's Rooh acquires the ability and he is also able to find a guide who can conduct his Rooh onto the Path; because, if Rooh doesn't follow the straight Path and strays right or left, it will continue to roam in the vast space forever. Ahadiyyat is a very vast place and surrounds everything below.*

Two factors assume exceptional importance in the endeavour to walk this Path: eating lawful food and performing righteous deeds, that is, adherence to the Sunnah. The Holy Quran mentions: Eat of the good things and do righteous deed... Piety is the first condition. Naturally, something that is not lawful can never be good. Therefore, the basic requirement is of Rizq (earning, provisions) being lawful and protected against impiety also. The virtue of the entire spectrum of human activity has been defined in only two phrases: lawful food and righteous deeds. These include all means of earning, work, labour, trade and all matters that proceed from them. When a person starts devouring everything that comes his way or starts usurping the wealth of others, it makes the means of earning dubious and his deeds no longer remain virtuous. These two phrases are so comprehensive that they encompass the whole range of human activity and also serve as the base of spiritual development.

When we were learning Tasawwuf, we were only four or five students in the beginning. This number also included a couple of locals, who remained constantly involved in feuds and cases in law courts. In one of their routine evenings, they joined Ustad ul Mukarram-rua in the evening Zikr, which was conducted after Maghrib till 'Isha. After Zikr, Ustad ul Mukarram-rua remarked, 'The Zikr gathering was covered with severe gloom. God knows

علوم جدیدہ اور دینیہ کا حسین امتزاج اقبال کے شاہینوں کا مسکن

راولپنڈی بورڈ اور پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن سے الحاق سے مسلسل

دس سال راولپنڈی بورڈ سے پوزیشن لینے والا واحد ادارہ

صقارہ سائنس کالج

ہاسٹل کی سہولت موجود ہے

- پری کیڈٹ تا ایف ایس سی (پری میڈیکل، پری انجینئرنگ)
- داخلہ ایف ایس سی پارٹ ا
- پری کیڈٹ اور آٹھویں جماعت

داخلہ جاری ہے

طلباء کی کردار سازی کے ساتھ ساتھ چار گھنٹے رات ساڑھے دس بجے تک قابل اساتذہ کی نگرانی میں کوچنگ کا اہتمام

ہاسٹل کی سہولت بہترین موسم (صحت افزا مقام) شاندار مستقبل کیلئے نادر موقع

پرنسپل لیفٹیننٹ کرنل (ر) **تنویر الرحمن** مزید معلومات کیلئے براہ راست رابطہ کریں

صقارہ سائنس کالج دار العرفان منارہ ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال فون نمبر 0543-562222
562200

For Feed back: siqariah@siqarahedu.com, principal@siqarahedu.com, viceprincipal@siqarahedu.com

Visit at: www.siqarahedu.com